فائزہ افتخار

ام ہانی اس نئی فرمائش... شرط مطالبہ... یا ضد جو بھی یہ تھا... اس پہ حق دق سی رہ گئی... جواب میں ایک لفظ تک نہ تھا کہنے کو...

نہ معذرت کا' نہ اپنی مجبوریاں بیان کرنے کے لیے' نہ اس سے رحم کی اپیل کر سکی۔

نہ نظر ثانی کی درخواست...

بس مردہ ہاتھوں سے فون ایک طرف رکھ کے سالار کے الفاظ اور لہجے کو یاد کرنے لگی۔ بہت غور کرنے پہ بھی ان پہ کسی قسم کے مذاق کا شائبہ نہ ہو رہا تھا۔

ناولٹ

"اٹھو بھئی... نیچے چلو... رسم ہونی ہے۔" مہ پارہ ایک دو لڑکیوں کے ہمراہ شور مچاتی اندر آئیں۔

"لہنگا میں پکڑوں گی آپی کا۔"

بلی بڑے شوق سے آگے بڑھی' کسی معمول کی طرح ان کی سنگت میں کمرے سے نکلتے نکلتے ام ہانی نے بڑی بے بسی اور رحم طلب نظروں سے بیڈ پہ پڑے فون کو دیکھا... جہاں سے حکم صادر ہو چکا تھا۔

اور اس نے خالی خولی دھمکی نہیں دی تھی... وہ واقعی نہیں آیا تھا۔ نیچے اماں نائلہ اور مہ پارہ سے معذرت کر رہی تھیں۔

"دراصل سالار کو یہ مہندی وغیرہ کی رسمیں پسند نہیں ہیں اسی لیے نہیں آیا۔"

"مگر آنا تو چاہیے تھا۔ لوگ کیا کہیں گے۔" مہ پارہ کو اللہ موقعہ دے اعتراض اور نکتہ چینی کا۔

"بس... وہ اس کا کہنا ہے کہ یہ خالصتاً" خواتین کی رسم ہے۔ وہ تو آپ کی خوشی کی خاطر اس نے اعتراض نہیں کیا ورنہ وہ تو سرے سے ان مہندی مایوں کی تقریبات کے ہی خلاف ہے۔ سادگی سے کرنا چاہتا تھا شادی۔"

ام ہانی کو ذرا سا حوصلہ ہوا... بھلا شادی کے دن نہ آنے کا کیا جواز پیش کرے گا... آ ہی جائے گا... بس ایسے ہی ڈرا رہا ہے۔

"چلیں... جیسے اس کی خوشی۔" نائلہ نے معاملہ رفع دفع کرانا چاہا...

"کوئی بات نہیں... خیال اس کا بھی درست ہے۔ آپ آئیں بیٹھیں تو سہی... مہ پارہ انہیں ہانی کے قریب لے جاؤ۔"

ام ہانی پیلے دوپٹے سے سر ڈھانپے خود کو ڈھارس دے رہی تھی کہ یہ محض خالی خولی دھمکی ہے۔ سالار اعظم جیسا سمجھ دار انسان ایسا نہیں کرے گا اور... اور پھر رات کو ان سب ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد بالآخر وہ اسے منا لے گی... منت سماجت کر کے محبت سے کسی بھی طرح بس تھوڑی دیر تک۔

اور یہ تھوڑی دیر سالار کے لیے بہت طویل مدت کے برابر تھی۔

اپنے کمرے کی نیم تاریکی میں بیٹھا ہاتھ میں پکڑے فون کو بے تاثر نگاہوں سے تکتا سالار خوش رنگ زہر کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

نشہ جیسے جیسے اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ام ہانی کی جانب سے کسی میسج یا کال نہ آنے کی جھنجلاہٹ اور کوفت رفتہ رفتہ طیش میں بدلتی جا رہی

تھی۔ ✡ ✡ ✡

ناچتے گاتے... مست خوش حال سب کے سب زہر لگ رہے تھے مجھے ان سب کی محبتوں سے میرا ایمان ہی اٹھ گیا۔ حتیٰ کہ امی کی مامتا سے بھی... بڑے دادا جی کے لاڈ سے بھی...

اگر ان سب کو واقعی مجھ سے محبت ہوتی تو کیا میرے چہرے سے میرے دل کا درد نہیں جان سکتے تھے۔

اور اگر جان رہے تھے... ہلکا سا شائبہ بھی ہوا تھا تو نظر انداز کیسے کر رہے ہیں... خوشیاں کیسے منا رہے ہیں مجھے اس آگ میں جلتا دیکھ کے بھی۔

رسم ہو رہی تھی مہندی کی... اور میں ایک کونے میں کھڑا شعلے برساتی نظروں سے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

سب سے پہلے خالہ بتول کو آگے لایا گیا۔ رسم کی ادائیگی کے لیے... اور وہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتی

ام ہانی کے پاس بیٹھ کے اس کے ہاتھ پہ شگن کی مہندی لگانے لگیں۔ کسی چھچھورے نے گانا لگا دیا۔

مہندی تاں سجدی
جے نچے کڑی دی دادی

اور شور سا مچ گیا۔ ام ہانی کے منہ میں ذرا سی مٹھائی ٹھونستی ہوئی خالہ بتول نے پہلے تو لجا کے شور کرتی لڑکیوں بالیوں اور بہو بیٹیوں کو واجبی سا گھورا۔ پھر گھٹنوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈال کے اٹھیں اور تین چار ٹھمکے ہلا دیے۔

پھر تو جیسے سب کی باری آ گئی....

مہندی تاں سجدی....
جے نچے کڑی دی ماں....

اور امی جی رسم کی ادائیگی کے بعد ٹشو پیپر سے انگلی لگی مہندی صاف کرتے ہوئے بس ذرا سا ہاتھ ہلا کے رہ گئیں.... شاید یہی تھا ان کا ڈانس.... سب پھر بھی یوں تالیاں بجا کے داد دینے لگے.... اب مہ پارہ پھوپھو کی باری تھی.... میں خود پر جبر کرتے ہوئے یہ سب تماشا دیکھنے پہ مجبور تھا۔

"مہندی تاں سجدی۔"
جے نچے کڑی دی پھوپھی....

اور کڑی دی پھوپھی تو پھر ایسا جھوم کے ناچی کہ خالہ بتول کو پکڑ پکڑ کے انہیں بٹھانا پڑا۔

نجانے مجھے کیا ہوا.... میرے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے اور راستے میں بھنگڑا ڈالتے نیاز ماموں نے مجھے پکڑ کے اس واہیاتی میں شامل کرنا چاہا.... مگر میں ان کا بازو جھٹک کے آگے بڑھتا گیا۔ ایک پل کے لیے بھی نظر ام ہانی سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

اور عین اس وقت جب امی کی کوئی قریبی سہیلی ام ہانی کو مہندی لگانے کی نیت سے اٹھیں.... میں ام ہانی کے بالکل نزدیک پنجوں کے بل بیٹھ چکا تھا.... اور وہاں رکھے بڑے سے سجے سجائے تھال میں موجود تیل' ابٹن اور مہندی کی پیالیوں میں سے مہندی میں اپنی انگلی بھگو چکا تھا۔

"توبہ ہے.... منڈے نئیں کرتے یہ رسم...."

خالہ بتول نے للکارا.... مگر امی نے ٹوک دیا۔

"رہنے دیں ناں' خالہ جی کرنے دیں اسے اپنا شوق پورا۔"

مہندی تاں سجدی
جے نچے منڈے دا ماما....

نیاز ماموں کے ناچنے پہ سب تالیاں بجا بجا کے داد دے رہے تھے اور میں مہندی میں بھیگی انگلی لیے گھونگھٹ سے ذرا ذرا سا جھلکتا ام ہانی کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا.... میں نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا.... جسے اس نے فورا" ہی آنچل کے اندر کر لیا۔ پھر بھی میں نے مضبوط گرفت کے ساتھ اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے کیا کہ اس پہ مہندی لگا سکوں.... مگر اب وہ سختی سے مٹھی بھینچ چکی تھی.... میں نے اس کا گھونگھٹ ہلکا سا ہٹایا۔ زرد رنگ میں اس کی رنگت بھی زرد تھی.... چہرے پہ ایک خوف و ہراس۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میں نے اس کی مٹھی کھولنا چاہی تو اس بار وہ مزاحمت نہ کر سکی۔

مہندی تاں سجدی
جے نچے کڑی دی بہن....

اب بیلی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اس لیے میری جانب کوئی متوجہ نہ تھا سب اس کی قلابازیاں دیکھ رہے تھے۔ میں نے مہندی سے اس کی ہتھیلی پہ اپنے نام کا پہلا حرف ایس لکھ دیا۔

وہ جو نظر جھکا چکی تھی۔ ایک بار پھر مجھے دیکھ کے رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں گلہ تھا شکوہ تھا' ناراضی تھی۔

مگر اتنی نہیں جتنی میری نگاہوں میں تھی۔ شاید اسی لیے وہ تاب نہ لا سکی.... نظر بھی چرا لی اور گھونگھٹ بھی کھینچ کر خود کو ایک بار پھر مجھ سے چھپا لیا۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ اٹھ کے وہاں سے جانے لگا۔

مہندی تاں سجدی۔
جے نچے کڑی دا ویر....

کسی نے گانے کے بول اچانک ہی تبدیل کر دیے

تھے اور ٹھمک ٹھمک کے ناچتا علی مجھے کھینچ کر اپنا ساتھ دینے پہ زبردستی مجبور کر رہا تھا۔۔۔ میں نے بے زاری سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے واجبی سے ایک دو دھکے بھی دیے۔۔۔ مگر اب وہ خود اپنے بھونپو جیسے حلق سے آوازیں نکالتا گانے لگا۔۔۔ ساتھ ساتھ میرا بازو اٹھا کے مجھے ناچنے پہ اکسا رہا تھا۔

او مہندی تاں سجدی۔۔۔

جے نچے کڑی دا ویر۔۔۔

یہاں میری برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔۔۔ میں آپے سے باہر ہو گیا۔۔۔ اور بھنا کے اسے زور کا تھپڑ دے مارا۔

تالیاں بجاتے سب نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کسی نے جادو کی چھڑی گھما کے سارے ماحول کو سویا ہوا محل میں تبدیل کر دیا تھا۔ میوزک بھی بند ہو چکا تھا اور میں طیش میں آ کے اب علی کو بے تحاشا پیٹ رہا تھا۔

"کب سے بکواس کیے جا رہا ہے۔ تیری تو میں۔۔۔"

سب سے پہلے ابو آگے بڑھے۔

"ارے سعد۔۔۔ چھوڑو اسے۔"

مگر میں ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے دوسرے ہاتھ کے گھونسے اس کی کمر میں مارے جا رہا تھا اب ابو کے ساتھ ساتھ نیاز ماموں بھی مجھے اس سے الگ ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ پاگل ہو گئے ہو کیا؟" ادھر خالہ بتول کی دہائیاں۔

"ہائے ہائے۔۔۔ میرے پوترے کو مار دے گا یہ منڈا۔"

"سعد۔۔۔ سن نہیں رہے تم؟"

امی بھی وہیں کھڑی غصے سے چلائی تھیں اور میں مار تمارتے اب اسے نیچے گرا چکا تھا۔

"اب بولے گا اب کرے گا بکواس؟"

قریب تھا کہ میں نیچے گرے علی پہ بیٹھ کے اس کا گلا دبا دیتا کہ آخر ابو اور ماموں اور شاید دو تین اور بھی کوئی لوگ تھے مجھے کھینچ کر، گھسیٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔"

میں ابھی تک کسی بے قابو بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح خود کو چھڑا کے ایک بار پھر علی پہ پل پڑنے کی تگ و دو میں تھا کہ ابو کے زوردار طمانچے نے میرے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔

جھاگ کی طرح بیٹھ کے اب میں گال پہ ہاتھ رکھے ڈری ڈری نظروں سے سب کے چہروں کے سوال پڑھ رہا تھا۔ ایک نظر نیچے گرے علی پہ ڈالی جو لیروں لیر کرتے کے ساتھ کراہ رہا تھا۔

"سعد۔۔۔ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا؟ یہ کیا حرکت تھی۔" ابو نے گرج کے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ علی۔۔۔ علی نے۔۔۔"

مجھے اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا جواز پیش کروں۔۔۔

"ہاں وہ علی اس کو چھیڑ رہا تھا۔" اچانک مجھے سامنے بلی نظر آئی تو میں نے اس کی جانب انگلی کا اشارہ کر دیا۔

"وہ اس کے بارے میں بری بری باتیں کر رہا تھا۔۔۔ تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

اب سب کی غصیلی نظروں کا رخ علی کی جانب تھا۔ جو پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا۔ اب بالکل ہی ڈھے گیا۔

اور سب لوگوں کی وہ نظریں جن میں لمحہ بھر پہلے میرے لیے لعنت ملامت اور پھٹکار تھی۔ اب ممنونیت اور تشکر نظر آ رہا تھا۔

میں ایک عظیم انسان۔۔۔

ایک غیرت مند شخص۔۔۔

واہ ایک لڑکی کی بے عزتی ہوتے دیکھ کر نہ ماحول دیکھا نہ نتائج کی پروا کی۔۔۔ اور دھنک کے رکھ دیا اپنے ہی عزیز دوست کو۔

ابو نے بھی میری مزید مرمت کا ارادہ موقوف کر دیا مگر مجھے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے ضرور گئے۔

"تماشا بنا کے رکھ دیا تم نے۔۔۔ یہ کوئی طریقہ ہے، مجھے بتا دیتے۔ خالہ بتول سے کہہ دیتے۔ بڑے مرکھنے تھے کیا؟ یہی سوچ لیتے کہ لڑکے والے کیا تاثر لیں گے اس غل غپاڑے سے۔" احمق ایسی باتیں پی جاتی ہیں۔

اچھالی نہیں جاتیں۔"
اور مجھے کمرے میں دھکیل کے آخری دھمکی دی۔
"خبردار جواب تم کل تک اس کمرے سے نکلے۔"
دروازہ بند ہونے کے بعد میں ڈھے سا گیا اور بیڈ پہ جا گرا۔ آج کی رات بس ایک آخری رات۔
یہ ایک واحد موقع ہے میرے پاس جو کرنا ہے آج کی رات کرنا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جائے گی۔ کچھ دیر میں وہیں پڑا نیچے سے آنے والے ہنگاموں پہ کان دھرے رہا جب سارا شور دھم پڑا۔ حتیٰ کہ گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے اور گیٹ سے نکلنے کی آوازیں بند ہوئے بھی گھنٹہ گزر گیا۔ تو میں چپکے سے اپنے کمرے سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

سالار کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ اور ام ہانی اس گھنٹے میں یہ چوتھا میسج اسے کر رہی تھی۔
"سالار۔۔ پلیز بات کو سمجھیں۔۔۔ میں کیسے آؤں۔۔۔ گھر میں اتنے مہمان ہیں۔ شادی والے دن کتنا مشکل ہو گا نکلنا۔۔۔ میں آپ کو منالوں گی۔ جو کہیں گے ویسا کروں گی۔ وعدہ آپ پلیز مجھے ایسے نہ ستائیں۔۔۔ اتنی کڑی شرط نہ۔۔۔"
دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بری طرح ہڑبڑا کے پلٹی اور مجھے دیکھ کے فون ایک جانب رکھ دیا۔
"سعد۔۔۔ کیا کرنے آئے ہو تم؟ ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے میری برداشت کی حد ویسے ہی ختم ہو چکی ہے۔"
"مجھ سے بھی اب اور برداشت نہیں ہو رہا۔" اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے میں آگے بڑھتا رہا۔
"میرا دل پھٹ رہا ہے ہنی۔۔۔ میں تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے یہ مت کرو۔۔۔ نہ کرو یہ شادی میں ہوں ناں۔ میں تم سے شادی۔۔۔"
"پاگل تو نہیں ہو گئے تم۔۔۔" وہ زور سے چلائی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھ سے شادی کرو گے؟ عمر دیکھی ہے اپنی انیس سال کے ہو ابھی اور تمہاری اسٹڈیز بھی مکمل نہیں ہوئی' باتیں اور شوق دیکھو اپنے۔" وہ باقاعدہ لعنت ملامت کرنے لگی۔
"تو تم کچھ سال انتظار کر لو۔"
"کیوں کروں میں انتظار میں سالار کو پسند کرتی ہوں۔ کل میری شادی ہے اس سے سمجھے؟"
"کیا نظر آ رہا ہے تمہیں سالار میں؟" بے بسی کے احساس سے کچلا میں رو ہی پڑا۔
"اتنا بڑا ہے وہ تم سے عمر میں۔۔۔ وہ تمہیں مجھ سے زیادہ پیار بھی نہیں دے سکتا۔"
"ہاں ہو سکتا ہے وہ مجھے تم سے زیادہ پیار نہ دے سکیں مگر وہ مجھے وہ تحفظ دیں گے جو تم کبھی نہیں دے سکتے۔ ابھی تو تم خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہو بات بے بات تمہارے آنسو نکل آتے ہیں۔ گڑگڑانے لگتے ہو۔۔۔ میں سالوں سے تمہارے آنسو صاف کرتی آ رہی ہوں اور سالار۔۔۔ وہ میری آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتے۔"
وہ ایسے گن گن کے میری کمیاں اور سالار کی خوبیاں جتا رہی تھی کہ میں اور شدت سے رونے لگا۔
"دیکھو۔۔۔ دیکھو تم پھر سے رو رہے ہو۔"
اس کے استہزائیہ انداز پہ میں بازو موڑ کے اپنی آستین کے کف سے آنسو پونچھنے لگا۔
"تم تو اتنے چھوٹے اور ناسمجھ ہو سعد۔۔۔ کہ ابھی تک محبت کا مطلب تک نہیں جانتے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ پیار کوئی من پسند کھلونا نہیں ہے جو بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ کے ضد کر کے یا پھر رو دھو کے پا لیا جائے۔" اس کے طعنوں تشنوں نے مجھے غصہ دلا دیا۔
"تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ سنانے والی کہ مجھے پیار کا مطلب آتا ہے یا نہیں۔۔۔ بچہ ہوں میں ٹھیک ہے۔ اب یہ بچہ ہی تمہیں بتائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔"
"اچھا کیا کر لو گے تم؟"
میں اس کے سوال پہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا۔

کوئی جواب نہ تھا۔ میرے پاس واقعی میں کیا کر سکتا تھا لیکن اس وقت اس کی بچی باتوں نے مجھے اتنا کم تر محسوس کروا دیا تھا کہ مجھے کچھ تو کہنا تھا' کوئی دعوا تو کرنا تھا چاہے کھوکھلا ہی سہی۔

"تمہارے اس سالار کو تو میں دیکھ لوں گا۔۔۔ کیسے لاتا ہے بارات اور کیسے لے کر جاتا ہے تمہیں مجھ سے دور۔"

"سعد۔۔۔"

میرے اس کھوکھلے دعوے اور بے جان سی دھمکی سے بھی وہ اتنی حراساں ہوئی کہ اس کا زرد چہرہ اور پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کے میری بچلی انا کو تسکین سی ملی' بڑا بچہ سمجھ رہی تھی ناں مجھے' کیسے اوسان خطا کر دیے میں نے' مجھے مزا آنے لگا اسے ڈرانے میں۔

"بڑا اترا رہی ہو ناں اس پہ۔۔۔ میں بتا رہا ہوں ہنی۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں' میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ جان دے بھی سکتا ہوں جان لے بھی سکتا ہوں۔"

"سعد۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ۔" وہ شدت سے چلائی تھی۔

"کوئی اور یہ بات کرتا تو مجھے غصہ آتا۔۔۔ مگر تم سے سن کے شرم آ رہی ہے کہ کبھی تمہیں دوست جانا تھا میں نے۔۔۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔۔ اور میری زندگی سے بھی۔"

اس کا وہ ڈر جو مجھے لطف دے رہا تھا۔ بس چند لمحوں کا مہمان تھا اور بس اب پھر وہی نفرت' بے پناہ نفرت۔۔۔ میں پھر سے رو پڑا تھا' شکست کے بھرپور احساس نے مجھے گھٹنوں کے بل گرا دیا تھا۔

"ہنی۔۔۔؟"

میرے سسک کے کہنے پہ وہ پھر سے چلائی۔ اسی شدید نفرت کے ساتھ۔

"کبھی بھی مجھے ہنی کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔ تم یہ حق کھو چکے ہو۔۔۔ بلکہ مجھے میرا اصل نام لے کر بھی مخاطب نہ کرنا اور۔۔۔ اور سعد رضوان شاہ ہو سکے تو کبھی مجھے بنا نام کے بھی مخاطب مت کرنا' کبھی ملنا تو ایسے جیسے دو اجنبی ملتے ہیں۔"

زہر کے چھینٹے مجھ پہ اچھال کے وہ رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ میں ہارے ہوئے انداز میں اسے حسرت سے دیکھتا رہا۔

کل تک جو ہلکی سی امید میرے اندر سانس لے رہی تھی کہ وہ میری محبت پہ ایمان لے آئے گی۔ آج اس امید نے آخری سسکی لے کر دم توڑ دیا۔

میں اسے کھونے نہیں والا تھا۔

میں اسے کھو چکا تھا۔۔۔

الٹے قدموں میں اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتا وہاں سے نکل آیا اور باقی کے آنسو اپنے کمرے میں آ کے بہائے۔

روتے روتے تھک گیا تو بیگ نکال کے اس میں کپڑے ٹھونسنے لگا۔ میں اسے کسی اور کا ہونے سے روک نہیں سکتا تھا۔ مگر کسی اور کا ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

بس یہ ایک تھا جو فی الحال میرے بس میں تھا کہ میں یہاں سے دور چلا جاؤں۔۔۔ کم از کم اس ایک دن کے لیے۔۔۔ جب وہ میری آنکھوں کے سامنے سالار کے ساتھ چلی جاتی۔

اتنا حوصلہ کہاں سے لاتا بچا ہی کہاں میرے پاس جو تھوڑی بہت ہمت تھی وہ مجتمع کر کے یہاں سے نکلنے لگا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے مڑ کے دیکھا تھا۔ ہنی کے کمرے کی کھڑکی کے پردے گرے ہوئے تھے اور ان کے اس پار گھپ اندھیرا تھا۔

"کہاں جا رہا ہے سعد۔۔۔ سن تو۔" لنگڑاتا لڑکھڑاتا علی مجھے پکارتا پیچھے آ رہا تھا۔

"کہیں بھی۔۔۔ تجھے کیا؟"

"میں نے مڑ کے دیکھا تو اس کے چہرے پہ نظر آتے مار پیٹ کے نشان مجھے ندامت میں بھگو گئے۔

"مگر کیوں؟ شادی ہے کل۔"

"اسی لیے تو۔۔۔" میں بدستور چلتا رہا۔۔۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے۔

"مجھ سے ناراض ہو کے؟"

وہ لپک کے سامنے آگیا اور میرا راستہ روک لیا۔
مجھے ہنسی آنی چاہیے تھی اس کی اس درجہ خوش گمانی پہ... مگر اس کی سادگی پہ رونا آگیا۔
"دیکھو تو اور مار لے... نکال لے غصہ مگر قسم سے میں نے بیلی کو نہیں چھیڑا تھا تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"علی... ہٹ جا سامنے سے۔"
"نہیں میں تجھے ایسے ناراض ہو کے نہیں جانے دوں گا۔"
"نہیں علی... میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔"
میں نرم سا پڑ گیا اس کے سامنے۔
"اور سوری یار... رات تمہیں خوامخواہ ہی... پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے ہنسی سے بھی میں نے ابھی اتنی فضول بکواس کر دی۔ جو نہیں کرنی چاہیے تھی لگتا ہے میں پاگل ہو رہا ہوں... اسی لیے جانا چاہتا ہوں تاکہ شادی کے موقع پہ مجھ سے پھر کچھ الٹی سیدھی حرکت نہ ہو جائے۔"
"مگر تو جائے گا کہاں؟"
"ہاسٹل یا کسی دوست کے پاس اور ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا واپس آجاؤں گا خود ہی ایک دو روز میں مگر وعدہ کر تو کسی کو نہیں بتائے گا کہ میں کہاں ہوں۔ ابو کو تو ہرگز نہیں۔"
"مگر تو جا کیوں رہا ہے اور تیرے بغیر یہ شادی کیسے ہو گی آخر؟" اس کی بے تکی بات نے مجھے پھر سے تاؤ دلا دیا۔
"کیوں، میرے بغیر کیوں نہیں ہو سکتی؟ میرے ساتھ ہو رہی ہے کیا؟"
ہاتھ سے اسے بری طرح اپنے سامنے سے ہٹاتا میں وہاں سے نکلا تو پو پھٹنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

"امہانی بیٹا۔"
نائلہ اس کا عروسی لباس اور زیورات کے ڈبے اٹھائے اندر داخل ہوئیں تو اسے خلاف توقع اور خلاف معمول سوتا پایا۔
"امہانی... بیٹا آج اتنی دیر تک سوؤ گی اٹھو بیٹا۔ وقت کم ہے اور کام زیادہ... بیلی کے ساتھ پارلر بھی جانا ہے تمہیں۔"
اور پاس آنے پہ اسے جگانے کی نیت سے جیسے ہی چھوا تو چونک اٹھیں وہ بری طرح تپ رہی تھی۔
"یا اللہ اتنا تیز بخار... اٹھو امہانی تمہیں تو سخت بخار ہے پھنک رہی ہو... اٹھو ناشتا کرو تو میں تمہیں دوا دوں ذرا طبیعت سنبھلے تو پھر ہی بھیج سکوں گی پارلر۔"
امہانی کراہ کے اٹھی اور سب سے پہلے جلتی بلتی آنکھوں کے ساتھ تکیے کے نیچے سے فون نکال کے دیکھا... سالار کو بھیجے کسی میسج کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اماں پریشان نظروں سے سالار کے کمرے کی حالت دیکھ رہی تھیں... خالی بوتلیں، لڑھکتے گلاس۔
اور خود وہ بے سدھ پڑا تھا۔
"سالار یہ کیا حرکت ہے۔ آج تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے کچھ تو خیال کرتے... ساری رات پیتے رہے کیا؟"
وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہی تھیں مگر اس کی مدہوشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
"سالار۔"
بہت پکارنے... بہت جھنجھوڑنے پہ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کی سرخ انگارہ آنکھیں دیکھ کے ڈر کے تھوڑا سا پیچھے ہٹیں۔ عام حالات میں ہی وہ خاصا بدلحاظ ہو جاتا تھا تو نشے میں تو...
"میں تو تمہیں بتانے آئی تھی کہ امہانی کی تائی کا فون آیا تھا۔"
وہ کرنٹ کھا کے اٹھ بیٹھا... سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں امہانی نے خودکشی نہ کر لی ہو اب یاد آیا کہ کل سے اسے کیسے کیسے خوفناک اور دھمکی آمیز پیغام بھیجے تھے۔
"بتا رہی تھیں کہ امہانی کو تیز بخار ہے۔"

"اوہ۔"
وہ پرسکون سا ہو کے دوبارہ لیٹ گیا اور اماں بیماری کی خبر پہ اس کا اطمینان بھرا سانس لینے پہ حیران رہ گئیں۔ پھر وہ ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگا تو اسے قدرے معمول پہ آتا دیکھ کے اماں کی جان میں بھی جان آئی۔

"تیار ہونے لگے ہو؟ ماشاءاللہ مجھے تو کبھی کبھی لگتا تھا تمہیں دلہا بنے دیکھے بنا ہی میں اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ مگر خدا کا کرم ہے۔ اس نے یہ دن دکھایا۔"

وہ بے تاثر چہرے اور سرد انداز کے ساتھ کوٹ سے ٹائی میچ کرتا ان کو سن رہا تھا۔

"آج تمہارے ابو زندہ ہوتے تو تمہیں دولہا بنے دیکھ کے وہ بھی بہت خوش ہوتے۔"

سالار نے ہاتھ میں پکڑا سوٹ غصے سے دور فرش پہ اچھال دیا اور دھاڑا۔

"آپ نے قسم کھا رکھی ہے ہر موقع پہ میرے سکون کو برباد کرنے کی؟ جان بوجھ کے آپ مجھے تکلیف دیتی ہیں۔"

"سالار میں تو۔۔۔"

وہ گڑبڑا کے وضاحت دینے لگیں۔

"کتنی بار کہا ہے آپ سے۔۔۔ مت کیا کریں اس شخص کا ذکر میرے سامنے اگر آپ کو اتنی ہی یاد آتی ہے ان کی تو اپنے کمرے کی تنہائیوں میں ان کو یاد کر کے رولیا کریں۔"

وہ خاموشی سے آنسو پیتی وہاں سے جانے لگیں اور سالار نے اندر کی تپش پہ چھینٹے مارنے کے لیے ایک اور بوتل کھول لی۔

☼ ☼ ☼

"کسی کو بتا کے بھی آیا ہے یا نہیں؟" شعیب تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔"

بہت وقت کے بعد میں یہ مختصر جواب دینے کے قابل ہو سکا۔۔۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا اس کے کسی سوال کا جواب دینے کو۔

"غلط کیا سعد۔۔۔ وہ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"کسی کو میرا خیال بھی نہیں آئے گا۔ ابو نے خود مجھے کمرے سے نہ نکلنے کی تاکید کی تھی اور آج سارا دن سب بہت مصروف رہیں گے۔"

پھر میں نے جیب سے فون نکال کے اسے آف کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"اور جب تک خیال آئے گا۔ تب تک بہت وقت ہو چکا ہو گا۔ شادی کے عین وقت کوئی مجھے ڈھونڈنے یا واپس لانے کے لیے نہیں نکلے گا۔"

شعیب میرے برابر بیٹھ گیا اور میرے کاندھے پہ ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے خلوص سے کہنے لگا۔

"مرد بن کے حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ ان سے فرار نہیں ہوتے سعد۔"

مگر میں اس کے مخلصانہ مشورے پہ بھی تڑپ اٹھا۔

"ہاں تو بھی دے لے مجھے مردانگی کا طعنہ۔۔۔ کیا مردوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟ اس دل میں درد نہیں ہوتا؟ اور کیا یہ درد ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں لا سکتا اور۔۔۔ اور جو روتے ہیں۔ کیا وہ محبت نہیں کر سکتے۔"

سالار نشے میں دھت لڑکھڑاتا ہوا کار تک آ رہا تھا جہاں اماں پہلے سے تیار اس کی منتظر تھیں۔ اسے اس حال میں دیکھ کے وہ دکھی سے زیادہ پریشان ہو گئیں کہہ بھی نہیں سکتیں تھی کچھ نہ ٹوک سکتی تھیں کہ وہ براماں کے جانے سے انکار ہی کر دیتا تو کیا کر لیتیں بھلا مگر یہ سوچ سوچ کے ان کی روح ضرور فنا ہو رہی تھی کہ وہاں جانے تک بھی اس کا نشہ نہ اترا تو اس حال میں دیکھ کے سب لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔

"آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ دوسری گاڑی میں جائیں۔"

اس کی آواز تک میں نشہ ڈول رہا تھا۔
"مگر سالار... پہلے ہی تمہارے کہنے پہ میں نے سب مہمان کو براہ راست ہی ہانی کی حویلی پہنچنے کا کہہ دیا ہے حالانکہ بارات کو قرینے سے جانا چاہیے تھا پھر بھی ...اب کم از کم تم مجھے تو..."
مگر وہ ان کی بات نظرانداز کرتا اب ڈرائیور پہ برس رہا تھا۔
"منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا... نکالو گاڑی۔"
"تم خود ڈرائیو کرو گے؟"
وہ اس کا ارادہ بھانپ گئیں جبکہ وہ ان کا سوال ان سنی کرتا جیب میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔
"سالار ضد مت کرو۔ تمہاری حالت نہیں ہے خود کار ڈرائیو کرنے کی۔ تم نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ ٹھیک ہے میں دوسری گاڑی میں چلی آتی ہوں لیکن تم ڈرائیور کو ساتھ لے لو بیٹا۔"
سالار نے جیب سے ایک لفافہ نکال کے ان کی جانب بڑھا دیا۔ سرد مہری امنڈ امنڈ کے چھلک رہی تھی۔
"میری شادی کا تحفہ آپ کے لیے۔"
"یہ کیا ہے؟" وہ حیران تھیں۔
"آپ کا ٹکٹ امریکہ کے لیے کل صبح کی سیٹ ہے۔"
"سالار؟ اتنی جلدی آج رات دلہن گھر آرہی ہے اور میں صبح ہی امریکہ چلی جاؤں۔"
"میری دلہن آرہی ہے... میرے لیے آرہی ہے آپ کے رکنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔"
اتنا کہہ کر وہ لاتعلقی سے مڑا اور دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ دیکھے بنا کہ ماں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہی اسے آنسوؤں میں بھیگی دعائیں دے رہی تھی۔
کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی کے چہرے کی سوگواری اور پژمردگی دلہناپے کے سنگھار میں بھی چھپ نہیں پا رہی تھی۔
"ماشاء اللہ کتنا نکھار آیا ہے..." نائلہ نے اس کا ماتھا چوما۔
"اوہو بخار ابھی بھی ہے... مہ پارہ اسے ایک اور خوراک دے دینا دوا کی ٹکر دودھ کے ساتھ۔"
"یہ سعد کہاں ہے بھابھی صبح سے نظر نہیں آیا۔"
مہ پارہ کے پوچھنے پہ وہ بھی فکرمند سی ہو گئیں۔
"پتا نہیں میں سمجھ رہی تھی رضوان نے ڈانٹ کر کمرے میں بند کیا ہے تو اچھا جا" نہیں نکل رہا اب جا کے دیکھا تو وہ ہے ہی نہیں... نہ کمرے میں نہ حویلی ...نہ جانے کب نکلا کسی کو نہیں پتا۔"
ام ہانی بلا وجہ ہی سر جھکا کے اپنی مہندی رچی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔
"کمال ہے فون کرنا تھا بھابھی۔"
"تو کیا نہیں کیا ہو گا؟ مگر فون آف مل رہا ہے۔"
"یا اللہ... یہ لڑکا۔"
ام ہانی کو اس ذکر سے وحشت ہونے لگی۔ دل چاہا ہاتھ جوڑ کے خاموش کرا دے ان دونوں کو...
"اللہ گجرے آئے یا نہیں۔"
بیلی افراتفری میں اندر داخل ہوئی ہمراہ خالہ بتول بھی تھیں۔
"کڑیو... نیاز بتا رہا ہے بارات گھنٹہ پہلے نکل چکی ہے۔ آنے والے ہوں گے وہ لوگ... جا کے نیچے تیاری کرو۔"
"دیکھو تو کیسی لگ رہی ہیں ہانی آپی۔" بیلی نے اشتیاق سے گھونگھٹ میں جھانکا۔
"میں ذرا جا کے رضوان سے کہوں... ایک بار پھر سعد کی خبر لیں۔" نائلہ' مہ پارہ کو لیے کمرے سے نکلیں۔
"اف... قیامت آفت۔"
ادھر بیلی اسے دیکھ دیکھ کے جھوم رہی تھی۔ خالہ بتول نے اس کے سر پہ ایک چپت لگا کے خاموش کرایا۔
"ماشاء اللہ کہتے ہیں... بے عقل... بے ہدایتی ...دلہن ہو یا دلہا۔ نظر فوراً" لگ جاتی ہے اس دن ہر

پل بھاری ہوتا ہے۔"
پھر ان کی نظر کھلی کھڑکی پہ جا پڑی' رات کی سیاہی میں سرخی سی گھل رہی تھی۔
"یا اللہ خیر کیسی لال آندھی اٹھی ہے۔ یہ تو شر ہے زرالال آسمان سے تو پناہ مانگنی چاہیے۔"
باہر نائلہ بھی رضوان سے فکر مندی جتلا رہی تھیں۔
"اتنا خراب موسم... پتا نہیں کہاں منہ پھلا کے بیٹھا ہوگا آپ بھی حد کرتے ہیں اتنا ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"تو ڈانٹ کھا کے وہ کونسا سدھر گیا۔ اب دیکھو لونڈی حرکت' یہ کوئی موقع ہے ایسی اموشنل بلیک میلنگ کا۔ ان سب کاموں کو دیکھیں ہم یا اسے ڈھونڈ کے اس کے آگے ہاتھ پیر جوڑ کے منا کے لائیں۔ ذرا فارغ ہو لوں پھر اس کی طبیعت صاف کرتا ہوں۔ آئندہ مجال نہیں ہوگی اس کی کہ یہ ڈرامے کر سکے۔"
"اچھا... کرتے رہیے گا۔ ابھی تو ایک بار پھر کال ملائیے۔ سب لوگ بار بار اس کا پوچھ رہے ہیں۔ اماں جی کچھ کہہ نہیں رہی مگر اسے بھی کمی محسوس ہو رہی ہو گی سعد کی... اس کی خاطر ہی اس گدھے کو واپس بلالیں۔"
"اچھا بھئی تمہارے کہنے پہ کرتا ہوں ایک بار... مگر یہ تم اسے شہہ دے رہی ہو... اس بار اچھا ہوتا کہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا جاتا ذرا سا بھی احساس ہوتا۔"
انہوں نے ابھی فون جیب سے نکالا ہی تھا کہ بج اٹھا۔
"اوہ... ایک منٹ... سالار کی والدہ کی کال ہے ہیلو جی۔" اور کچھ ایسا سنا انہوں نے کہ رنگت فق ہو گئی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ..."

☆ ☆ ☆

شعیب میس سے کھانا لے کر اندر داخل ہوا تو سرہانے رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اور میں جیسے کانوں میں روئی ڈالے صم بکم بیٹھا تھا۔
"فون سننا نہیں ہے تو آف ہی رہنے دیتے پہلے کی طرح' کان پکا دیے تو نے۔" وہ ٹرے میرے سامنے رکھتے بڑبڑایا۔
"بند تھا... مگر تب عجیب بے چینی تھی۔ اب بار بار آنے والی فون کالز اور میسجز سے اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ وہاں میری کمی محسوس ہو رہی ہے۔ کوئی اتنے ہنگامے' ہلچل اور مصروفیت میں بھی مجھے یاد کر رہا ہے۔ پتا نہیں وہ یاد کر رہی ہے یا نہیں... پتا نہیں اسے اپنے کٹھور پن کا احساس ہوا کہ نہیں... پتا نہیں وہ مجھے فون کرے گی یا نہیں..."
"سعد... تم ہم اذیت پسند ہو۔"
"نہیں... ہوتا تو یہاں نہ آتا... وہاں رہ کے خود کو شوق سے اذیت دیتا اسے کسی اور کی دلہن بنا دیکھ کے۔"
"بے حس انسان۔ خود کو نہیں۔ تم خود سے وابستہ لوگوں کو اذیت دے رہے ہو سوچو ان سب کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔" تبھی دوبارہ فون بج اٹھنے پہ وہ اٹھا۔
"تم نے نہیں کرنی تو نہ سہی... میں کرتا ہوں بات۔" میں تڑپ کے اٹھ بیٹھا اور فون کی جانب بڑھتے شعیب کو روکا۔
"خبردار جو تم نے انہیں میرے بارے میں کچھ بھی بتایا تو۔"
"بتاؤں گا۔" وہ میری دھمکی کو خاطر میں نہ لایا۔
"ویسے بھی اب کونسا وہ شادی کے وقت سب چھوڑ کے اتنی دور تمہارے نخرے اٹھانے آئیں گے۔ کم از کم میں انہیں اتنی تسلی تو دے دوں... کہ تم خیریت سے ہو۔"
اب کے میں نے نہ روکا... دل میں خیال سا آیا... امی کا ابو کا' واقعی شادی کی خوشی بھی نہ ڈھنگ سے منا رہے ہوں گے وہ... چلو ان کو یہ سکون تو ملے۔
"ہیلو... جی السلام علیکم جی میں سعد کا دوست ہوں۔ شعیب جی وہ سو رہا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جی جی کہیے کیا؟ اوہ کب؟ کون سے

ہسپتال۔"

ہسپتال کا سنتے ہی میں اٹھ گیا اور اس کے پاس چلا آیا۔

"جی ٹھیک ہے وہ آتا ہے ابھی۔۔۔"

چہرے پہ پریشانی کا واضح تاثر لیتے وہ فون بند کرتا میری جانب پلٹا۔

کون سے ہسپتال؟ بڑے دادا گزر گئے؟"

شعیب نے ایک ملامتی نگاہ مجھ پہ ڈالی اور بتایا۔

"بارات لاتے ہوئے سالار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ شدید زخمی حالت میں ہسپتال ہے۔"

☼ ☼ ☼

اور ایسا پہلی بار نہیں تھا کہ میں نے ہاسٹل سے اپنے قصبے تک کا دو گھنٹے کا سفر گھنٹے بھر میں کیا ہو، کتنی بار میں یونہی افراتفری میں اڑتا ہوا ہنی سے ملنے گیا تھا۔ اور آج۔۔۔ آج تو جیسے مجھے صرف پر نہیں لگے تھے۔ ان پروں میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا میں وہاں کیسے پہنچا۔۔۔

راستہ کیسے کٹا۔۔۔ کتنا وقت لگا۔

میں نے وہ سڑک تیز رفتاری سے آتے ٹرکوں اور ویگنوں میں سے کیسے پار کی۔۔۔ ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد کس سے تفصیل لی تھی اور اس نے کیا روم نمبر بتایا تھا بس میں بھاگتا چلا گیا۔۔۔ بھاگتا ہی رہا۔

اس وقت تک۔۔۔ جب تک میری نظر سامنے ان جانے پہچانے چہروں پہ نہ گئی جن پہ ایک انجانی سی دہشت اور خوف اس وقت نظر آرہا تھا۔

پریشانی سے ٹہلتے ابو۔۔۔

تسبیح کے دانوں پہ زیر لب کچھ ورد کرتیں امی۔۔۔

جائے نماز پہ بیٹھی خالہ بتول اور۔۔۔ اور ام ہانی۔۔۔

دلہن بنی ام ہانی وہ سر جھکائے ہچکیاں لیے رو رہی تھی۔

میں جب اس سے پہلی بار ملا۔ تو وہ یونہی رو رہی تھی اور میں دور کھڑا سیاہ لباس میں ملبوس اس روتی ہوئی لڑکی کے آنسوؤں کے ساتھ بہتا چلا گیا تھا۔

آج وہ سیاہ لباس کی بجائے سرخ لباس میں تھی۔۔۔

مگر میں، میں آج بھی بہہ رہا تھا ڈوبنے سے بچنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ آج ہی اس کے آنسو مجھے اندر تک گیلا کر سکتے ہیں۔۔۔ میں آج بھی اس کے رونے سے اسی طرح ٹوٹ کر بکھر سکتا ہوں۔۔۔ جیسے پہلی بار بکھر گیا تھا۔

مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ بھلے یہ آنسو وہ سالار کے لیے بہا رہی ہے پھر بھی۔۔۔ پھر بھی میں اس کی آنکھوں میں یہ آنسو نہیں دیکھ سکتا، مجھے سالار کی حالت جان کے خوشی ہونی چاہیے تھی۔ جس شادی کو روکنے کے لیے میں نے ہر حربہ آزمایا اور ناکام رہا وہ شادی اب رک گئی تھی اور ہو سکتا ہے کبھی نہ ہو پائے اگر سالار۔۔۔ مگر میں خوش نہیں ہو پا رہا تھا کیسے ہوتا۔۔۔ اسے رلا کے کیسے خوش ہوتا؟

نہیں ام ہانی تمہیں رونا نہیں چاہیے نہ میری وجہ سے نہ ہی سالار کی وجہ سے اگر سالار کے دور جانے سے تم دکھی ہوتی ہو۔ تو ٹھیک ہے۔ سالار کو تم سے دور نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ بس تم دکھی مت ہونا تم رونا مت، مت رونا تم۔

میں اس سے کچھ قدموں کے فاصلے پہ کھڑا نم آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ امی مجھے پکارتے ہوئے اٹھیں۔

"سعد۔۔۔ آگئے تم۔"

میرا نام سن کے اس کا ہچکیاں لیتا وجود تھما اس نے نظر اٹھا کے مجھے دیکھا۔ اٹھی اور پھر برق رفتاری سے میری جانب دوڑتی آئی۔ میرے بازو خود بخود پھیل گئے۔ اور دل میں ایک یقین سا اتر آیا۔ کہ تمام تر ناراضیوں۔۔۔ گلے شکوؤں کے باوجود آج بھی۔ میری ہنی کو آنسو بہانے کے لیے میرا ہی کاندھا چاہیے ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ میرے ہی گلے لگ کے اپنا غم ہلکا کرتی ہے۔

میں اس کے آنسو اپنے اندر اتارنے اور اس کا درد خود میں سمونے کے لیے بازو پھیلائے اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ وہ بھاگتی ہوئی آئی اور ایک زناٹے دار تھپڑ میرے چہرے پہ دے مارا۔۔۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں؟"

میرے بازو بے جان ہو کے میرے پہلو میں آن گرے اور میں بت بنا اسے چلاتے دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک کے بعد دوسرا... دوسرے کے بعد تیسرا تھپڑ وہ مجھے مارتی چلی گئی... میرے ساتھ باقی سب بھی حیرت کے اتنے شدید اثر میں تھے کہ اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکے۔ وہیں جمے ششدر انداز میں اس کی ہذیانی کیفیت کو دیکھ رہے اور شاید سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم اس کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو؟ یہ کیسی محبت ہے سعد؟ محبت تو دکھ نہیں دیتی... محبت اعتبار نہیں توڑتی محبت کرنے سے پہلے محبت کرنا تو سیکھ لیتے۔"

میں اس سے تھپڑ کھاتا جا رہا تھا... بنا کسی مزاحمت کے۔ اور اب وہ میرا کالر دبوچ کے میرے گریبان کو جھٹکے دے رہی تھی۔

"تمہیں پتا بھی ہے محبت ہوتی کیا ہے؟ محبت صرف پانے کا نام نہیں ہے کہ کچھ بھی کر کے کسی بھی طرح بس پا لیا جائے... حاصل کر لیا جائے۔ محبت دینے کا نام ہے... بتاؤ کچھ دینے کا حوصلہ ہے تم میں؟"

روتے روتے وہ ادھ موئی سی ہو گئی۔ بے جان اور بھر بھری ریت کی طرح ڈھے کر نیچے گرتی جا رہی تھی... میرا کالر اب بھی اس کی مٹھیوں میں قید تھا تو میں بھی آہستہ آہستہ نیچے ہوتا گیا اور گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھ گیا جہاں بیٹھی وہ بلک بلک کے دم توڑتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"بہت غصہ آتا ہے ناں... جب میں تمہیں چھوٹا کہتی ہوں لیکن اب تم خود اپنی نظروں میں کتنے چھوٹے ہو گئے ہو اس کا احساس ہے تمہیں... کیوں کیا تم نے ایسا' بولو تم سے ناراض ہونے کے باوجود تمہاری سب فضول حرکتوں کے بعد بھی میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہی اور تم... تم نے میری زندگی کی واحد خوشی مجھ سے چھیننا چاہی۔ مار دیا اسے... مار دیا۔"

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی اور اگر ابو آ کے اسے سنبھالتے ہوئے یہ بات نہ کہتے تو شاید میں کھڑے کھڑے وہیں خود کو بھی مار ڈالتا۔

"ہانی بیٹا ایسے مت کہو... کچھ نہیں ہوا سالار کو۔" وہ اسے کاندھوں سے تھام کے اٹھانے لگے۔

"معمولی ایکسیڈنٹ تھا۔ ڈاکٹرز تسلی دے چکے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں تم خود اسے صحیح سلامت دیکھ لینا۔"

یہ سنتے ہی وہ ابو کے سینے لگ کے پھر سے رو دی... ابو نے بہت دھیرے سے میرا گریبان اس کی مٹھیوں سے آزاد کرایا پھر ایک گہری خاموش نظر میرے چہرے پہ نظر آتے اس کے تھپڑوں کے نشان پہ ڈالی۔ مگر امی خاموش نہ رہ سکیں ابھی تک وہ شاید حیرت کے شدید دھچکے کے زیر اثر تھیں مگر جب ام ہانی کی باتوں کا مطلب سمجھ آیا تو پاس آتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں مگر شدید غصے میں کہنے لگیں۔

"رضوان... کیا بکواس کر رہی ہے یہ... یہ صلہ دے رہی ہے یہ ہمارے اتنے سالوں کے احسان کا؟"

یہ سن کے میرے ساتھ ساتھ ہانی نے بھی ابو کے سینے سے سر اٹھا کے بے یقینی سے انہیں دیکھا کیونکہ ان کا یہ انداز... یہ روپ' یہ لہجہ سب نیا تھا۔

"کیوں تماشا بنا رہی ہو اپنا بھی اور ہمارا بھی... یاد رکھو کہ تمہارا ہونے والا شوہر اور اس کی ماں بھی یہیں موجود ہیں۔ انہیں بھنک بھی پڑی تو سعد کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی..."

"امی پلیز..."

میں نے ٹوکا اور پھر انہیں کاندھوں سے تھام کے وہاں سے لے جانے لگا۔ اور ابو اب ہانی کو تسلی دے رہے تھے۔

"پریشان ہے نائلہ بھی۔ تم دل پہ مت لینا اور فکر مت کرو ڈاکٹرز نے اطمینان دلایا ہے کہ سالار کو کوئی خطرناک چوٹ نہیں آئی۔ شاید ایک نہیں تو دو دن میں اس کو ڈسچارج بھی کر دیں گے۔ اور بیٹا سعد کا اس

سارے قصے میں کوئی قصور نہیں۔۔۔ سالار نے ابھی خود پولیس کو بیان دیا ہے کہ اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے کار ایک ٹرالر سے ٹکرائی تھی اور سعد۔۔۔ وہ تو سیدھا ہاسٹل سے آرہا ہے۔"

امی کو وہاں سے لے جاتے ہوئے میں نے یہ سب سنا تو۔۔۔ مگر مڑ کے ہانی کے تاثرات دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔ پتا نہیں اس نے اس سب پہ یقین بھی کیا یا نہیں۔

☼ ☼ ☼

خالہ بتول کی زبانی سارا واقعہ حویلی کے ایک ایک فرد تک پہنچ چکا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔ یہ سب ہوتا رہا حویلی میں۔۔۔ اور کسی کو پتا ہی نہیں تھا۔" مہ پارہ کو موقع ملا تھا کھولن نکالنے کا۔

"اور دیں بچوں کو آزادی۔۔۔ میں کچھ کہتی تھی تو آپ میری زبان پکڑ لیتی تھیں۔۔۔ بچے ہیں۔۔۔ بچپن کا ساتھ ہے۔"

"ایک ساتھ پلے بڑھے بچوں میں لگاؤ تو ہو ہی جاتا ہے۔ بلاوجہ بات کا بتنگڑ نہ بناؤ۔" رضوان نے ٹوکا تو وہ بگڑ گئیں۔

"میری تو ہر بات بری لگتی ہے۔ میں ہمیشہ بھابھی کو خبردار کرتی رہی کہ سعد کو دور رکھیں ہانی سے وہ اس پہ چھاتی جا رہی ہے۔ سعد کو کچھ سوجھتا ہی نہیں ہانی کے علاوہ اور یہ ٹھیک نہیں ہے مگر۔۔۔"

"مہ پارہ۔"

اس بار رضوان نے ذرا زیادہ سختی سے ٹوکا۔

"گھر مہمانوں سے بھرا ہے کیوں معاملے کو اچھال رہی ہو۔"

"ہونہہ۔۔۔"

وہ سر جھٹک کے احتجاجاً" وہاں سے چلی گئی۔۔۔ اور اب تک خاموش بیٹھی نائلہ نے اس کے جانے کے بعد اس کی تائید کی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے اور ہمیشہ صحیح ہی کہتی تھی۔۔۔ میں ہی تھی جو جان بوجھ کے ٹالتی تھی۔ یہاں ہوں کیا سعد کے دل کے حال سے انجان رہ سکتی تھی مگر انجان بنی رہی کہ بات دبی ہے تو دبی رہے۔"

رضوان نائلہ کے اس انکشاف یا اعتراف پہ دنگ رہ گئے۔

"نائلہ۔۔۔ تم جانتی تھی سعد کی چاہت؟"

"ہاں۔۔۔" انہوں نے تسلیم کیا۔

"مگر یہ چاہت نہیں۔۔۔ اس کا بچپنا تھا۔ ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے اور پھر ہانی۔۔۔ وہ اس سے بڑی ہے کافی، خیر جو ہوا سو ہوا۔ مگر ہانی کو بھی سعد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا پہلے میرے معصوم بچے کو شہہ دی پھر شادی کے لیے کسی اور پسند کیا۔ اور تو اور اس پہ اتنا بڑا الزام تک لگا دیا۔۔۔ کیا میرا معصوم بچہ قاتل ہو سکتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"نہیں نہیں ایسی کوئی تشویش والی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر سالار کی اماں کو تسلی دے رہا تھا۔

"معمولی چوٹیں ہیں ایک دو دن میں ڈسچارج ہو جائیں گے۔"

"دراصل مجھے آج ہی امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔۔۔ مگر دل نہیں مانتا۔۔۔ ملتوی تو کر دیا ہے ارادہ۔۔۔ بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ ابھی اسے میری ضرورت ہے تو میں کب تک رکوں یہاں؟"

"آپ ماں ہیں۔۔۔ آپ کی ضرورت تو انہیں تاعمر رہے گی۔" ڈاکٹر مسکرایا تھا۔۔۔ مگر وہ جواب میں مسکرا تک نہ سکیں۔

"ایکسیڈنٹ تو بہت خطرناک تھا۔ یہ تو معجزہ ہے کہ ان کو کوئی بہت سیریس انجری نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن اس طرح ڈرنک ہو کر ڈرائیونگ کرنا ضرور خطرناک ہے۔ انہیں احتیاط کرنی چاہیے۔"

ڈاکٹر کی بات سن کے تو وہ شرمندہ ہوئیں ہی۔۔۔ مگر تبھی دروازے پہ اندر آتے آتے ٹھٹک کے رکتی نائلہ کو دیکھ کے تو مارے شرمندگی کے سر ہی جھکا لیا۔

"اس ایکسیڈنٹ میں تو انہیں کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا۔۔ مگر الکوحل انہیں کوئی دوسرا نقصان ضرور پہنچا سکتی ہے کب سے کر رہے ہیں یہ شراب نوشی؟"

نائلہ بجھے دل کے ساتھ پلٹ گئیں مگر پھو پھو رک کر ان کا انتظار کرنے لگیں دل میں عجیب سے وسوسے بھی جاگ رہے تھے اور عجیب سی کشمکش اور تذبذب بھی۔

کچھ دیر بعد اماں اسی شرمندگی کے تاثر کو چہرے پہ سجائے نکلیں تو نائلہ نے فوراً" ان کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔

"سالار ایکسیڈنٹ کے وقت نشے میں تھا؟" وہ خاموش رہیں تو دوسرا سوال۔

"صرف اس وقت؟ یا اکثر رہتا ہے؟"

"شادی کے بعد چھوڑ دے گا آہستہ آہستہ۔" اماں کا لہجہ پست تھا۔

"ام ہانی بہت اچھی بچی ہے۔ بڑی نیک بخت۔۔ اس کی سب بری عادتیں چھڑوا دے گی۔"

نائلہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔۔ اور پھر ایک سرد آہ بھر کے رہ گئیں۔۔ آنے والے وقت میں نظر آتا موہوم سا خدشہ انہیں اس تلخ سچائی کو پی جانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ انہوں نے سالار کی ذات کے حوالے سے سامنے آنے والی اس بد صورت اور کریہہ سچائی کو مصلحت کے پردے سے ڈھانپ دیا۔

☆ ☆ ☆

آج دوسرا دن تھا مجھے یہاں۔۔ جب سے آیا تھا۔۔ ہاسپٹل میں ہی تھا علی ابو امی سب بار بار مجھے جانے کا کہہ رہے تھے۔ مگر میں اتنا بد صورت داغ لے کر یہاں سے کیسے چلا جاتا۔۔ بنا اسے دھوئے۔

سالار کو خون کی فوری ضرورت تھی۔۔ وہ میں نے دیا۔۔ اگر میری جان کی ضرورت پڑتی۔۔ میں وہ بھی دے دیتا۔

اگرچہ سالار کی نظروں میں میرے لیے ایک سرد مہر بے زاری تھی۔۔ لیکن میں کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر دن رات اس کی تیمار داری میں مصروف تھا۔ پروا تھی تو اس بات کی کہ ہنی کو یقین دلا سکوں کہ مجھے اس کی خوشیاں عزیز ہیں۔۔ اس کی خوشی کی خاطر میں اسے سالار کا ہوتے دیکھنے کا بھی حوصلہ کر سکتا ہوں۔

وہ سب دیکھ رہی تھی۔۔ میرا رات بھر جاگنا۔۔ دن بھر سالار کے روم کے باہر ایک ٹانگ پہ کھڑے رہنا۔

سب دیکھ رہی تھی۔۔ وہ چپ چاپ۔۔

اور میں بھی سب دیکھ رہا تھا چپ چاپ۔۔ اس کا سالار کے سرہانے بیٹھ کے آنسو بہاتے دعائیں مانگنا۔۔ سالار کے ہوش پہ اس کا بھاگ کر اس کے روم میں جانا۔۔ مگر اب کسک نہیں ہوتی تھی نہ جلن۔

صرف ایک خلش باقی تھی۔۔ کہ کاش اس رات میں نے یونہی وہ بے تکے دعوے نہ کیے ہوتے۔۔ وہ کھوکھلی دھمکیاں نہ دی ہوتیں تو ام ہانی کے دل میں پل بھر کے لیے یہ وہم نہ آتا کہ میں ایسا کچھ کر سکتا ہوں۔

☆ ☆ ☆

وہ سالار کے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک مسلسل اس کے سامنے بیٹھے روئے جا رہی تھی۔۔ اور وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔۔"

"تو تم اور زیادہ روتیں۔۔"

"نہیں۔۔ میں بھی زندہ نہ رہتی۔"

"زندہ نہ رہنے کی خواہش کرنا بہت آسان ہے مگر اس خواہش کو پورا کرنا مشکل۔۔" وہ طنز سے مسکرایا تھا۔

"زندہ رہنا پڑتا ہے ہانی۔۔ جانتی ہو میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک تم خود چل کے نہیں آؤ گی مجھے منانے۔۔ میں بھی اپنے کہے الفاظ سے پیچھے نہیں ہٹا۔۔ جو کہہ دیا وہ پتھر پہ لکیر لیکن اس بار میں نے خود سے کیا عہد توڑنا چاہا۔۔ میں آ رہا تھا ام ہانی۔۔ اپنی زبان سے پھر کے مگر قدرت کو منظور نہیں تھا۔ اس نے میرے عہد کا بھرم رکھ لیا۔" ام ہانی نے بے تابی سے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اب آپ کو منا رہی ہوں ناں.... سوری بھی کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کے آپ کو نظر انداز نہیں کیا تھا نہ کبھی کر سکتی ہوں۔ آپ سے اہم میرے لیے کچھ بھی نہیں اور میں نے واقعی آنے کی بہت کوشش بھی کی تھی.... مگر...."

وہ پھر سے رو پڑی اور سالار اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے مہندی دیکھنے لگا جو ابھی بھی مدھم نہیں پڑی تھی۔

"تم نے اپنے ہاتھ پہ مہندی سے میرا نام لکھا؟"

ہانی چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ جہاں ہتھیلی کے ابھار پہ ایس لکھا تھا.... وہ رونا ہی بھول گئی.... گم صم سی۔

"کیا تم نہیں جانتی کہ مہندی کا رنگ کتنی جلدی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مٹ جائے گا میرا نام۔"

"مگر دل پہ لکھے نام کو کون مٹائے گا سالار۔"

اس نے سالار کی نظروں سے چھپانے کے لیے مٹھی ہی زور سے بھینچ لی.... جیسے ڈر ہو وہ جان ہی نہ جائے یہ حرف اس کے نہیں کسی اور کے نام کا حصہ ہے جسے اس نے خود لکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سعد آج بھی نہیں آیا؟"

نائلہ نے رضوان کو پھر سے اکیلے ہی واپس آتے دیکھا تو تشویش سے پوچھا۔

"نہیں بہت کہا.... مگر نہیں مانا۔"

"کمال ہے۔ وہاں اتنے لوگ ہیں اس کا خیال رکھنے کو.... سعد کا کوئی ضروری نہیں ہے ہسپتال رکنا۔ آپ بس کسی طرح اسے واپس بلائیں۔ اس کا اور ام ہانی کا بار بار سامنا ہونا ٹھیک نہیں ہے بلکہ.... بلکہ اسے کل ہی دوبارہ ہاسٹل بھیجیں نہیں.... بیرون ملک بھیج دیں۔" نائلہ کے گھبرائے انداز پہ رضوان حیران ہوئے۔

"نائلہ تم تو دوسرے شہر اسے بھیجنے کے لیے اتنی مشکل سے مانی تھیں اب ملک سے باہر بھیجنا چاہتی ہو۔"

"اس کی اور ہانی دونوں کی بہتری کے لیے کر رہی ہوں.... ہانی کا گھر کبھی نہیں بس سکے گا اگر سعد یونہی.... اور ہاں.... سالار کی اماں اگلے ہفتے جا رہی ہیں امریکہ اس سے زیادہ نہیں رک سکتیں آپ دو تین دن کے اندر سالار کا نکاح پڑھوائیں ہانی سے اور رخصت کریں۔"

"نائلہ تم یکے بعد دیگرے اوٹ پٹانگ باتیں کرتی جا رہی ہو کل صبح سالار ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہا ہے اور میں پرسوں اسے بیٹی رخصت کرانے کا کہوں۔"

"پرسوں نہ سہی دو دن بعد.... سادگی سے کروا دیں مگر خدا کے لیے اب تاخیر نہ کریں۔ تبھی میری گھبراہٹ اور خوف ختم ہوں گے اور سعد کا پاگل پن بھی ٹھکانے لگے گا۔"

وہ رو پڑیں تو رضوان کچھ مزید نہ کہہ سکے۔

☆ ☆ ☆

اندر عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی تو میں باہر نکل آیا۔ حالانکہ باہر رات کے اس وقت خنکی بڑھ جاتی ہے۔ میں بازو سینے سے بھینچے باقاعدہ ٹھٹھر رہا تھا جب علی آ گیا۔

"مجھے انکل نے بھیجا ہے یہاں رات رکنے کو.... تو واپس چلا جا سعد۔"

"نہیں.... تمہیں رکنا ہے تو رکو.... میں نہیں جاؤں گا.... جب تک خود سے یہ الزام نہیں دھو لیتا۔" میں ستون سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ اور علی سنجیدہ سا ہو کے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگا۔

"مجھے تو اندازہ ہی نہیں ہوا سعد.... اور جب پتا چلا تو.... مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"جانتے ہو علی.... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ جب سے اسے دیکھا ہے' اس سے محبت کی ہے۔ مگر میں نالائق.... بدھو محبت سیکھنا بھول گیا۔

پہلے سیکھنی چاہیے تھی ناں یار..... اب کم از کم اب تو مجھے سیکھنے دے۔ چچی نے سی ہانڈی اتار کے اس کے سامنے رکھ دی بھول گیا کہ بہت وقت لگتا ہے پتھر کو پارس بننے میں۔"

علی کی نظروں کے تعاقب میں مڑ کے دیکھا تو ہانی کمبل لیے میرے بالکل پیچھے کھڑی تھی۔ نجانے کب سے۔

"یہ لے لو..... سردی ہے۔"

"مجھے نہیں لگتی۔" میں نے دوبارہ رخ پھیر لیا۔

"آئم سوری سعد..... مجھے حقیقت جاننے سے پہلے تمہیں الزام نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"کہیں نہ کہیں تو میں ہوں ذمے دار..... اور قصور وار بھی میری بددعا میں تمہاری دعاؤں سے اور میری نفرت تمہاری محبت سے ٹکرا رہی تھی..... جس خدا سے تم نے سالار کو پانے کی منت مانی تھی۔ اس خدا سے میں نے بھی سالار کو تم سے دور کرنے کی منت مانی تھی۔ شاید اسی لیے۔" وہ خاموشی سے کمبل علی کو تھما کے چلی گئی۔ وہ رات بھی کٹ گئی۔

صبح سالار ڈسچارج ہو کے اپنے گھر چلا گیا اور میں دو راتوں کی تھکن چہرے پہ لیے حویلی لوٹ آیا۔

"سالار چلا گیا گھر؟"

جو گرز اتار رہا تھا جب امی نے اندر آتے ہی بلا مقصد سوال کیا..... جبکہ جواب وہ یقیناً" جانتی ہیں۔

"جی....."

"چلو اچھا ہوا اب تم کم از کم اس کے پیچھے گھر نہ چلے جانا ویسے تو ہسپتال بھی اتنا رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خیر اب ذرا احتیاط کرو..... گھر میں کافی مہمان ہیں ..... مہ پارہ کی زبان کے آگے تو ویسے بھی خندق ہے اور اوپر سے خالہ بتول کہیں بات پھیل نہ جائے۔"

"کیوں رکے ہیں سب ابھی تک واپس کیوں نہیں جاتے۔" میں نے بے زاری سے جاگرز ایک جانب پھینکے۔

"چلے جائیں گے جس کام کے لیے آئے تھے اب وہ کام کر کے ہی جائیں گے۔ پرسوں نکاح کے بعد ہم ہانی کو سادگی سے رخصت کر رہے ہیں۔"

اپنے تئیں یہ انکشاف کرنے کے بعد انہوں نے بڑی ٹٹولتی اور کریدتی سی نگاہ مجھ پہ ڈالی تھی..... مگر میں کمال ہوشیاری سے اپنے اندر کے طوفان کو چھپائے اب الماری سے کپڑے نکال رہا تھا۔

"اچھا۔" بڑے سکون سے میں نے فقط اتنا کہا۔

"اور اس سے اگلے دن کی تمہاری سیٹ کنفرم ہے۔"

ایک جانب سے مطمئن ہوتے ہی انہوں نے اگلا دھماکا کیا جو کہ یقیناً" زیادہ بڑا اور چونکانے والا نہیں تھا کہ ابو مجھے بتا چکے تھے۔ مگر پھر بھی میں زچ ہوا تھا۔

"آپ کیوں چاہتی ہیں ایسا؟ کیوں مجھے گھر سے اور خود سے دور کر رہی ہیں؟ سزا کے طور پہ۔"

"ماں ہوں سعد..... اولاد کا ہر رنگ، ہر ڈھنگ پہچانتی ہوں..... تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہارے اشارے کنائے نہیں سمجھتی تھی سب سمجھتی تھی ..... سعد۔ مگر ہنس کے ٹالتی تھی تمہاری بے قراریاں نظر آتی تھیں مجھے اور حماقتیں بھی..... مگر چشم پوشی کرنا لازمی تھا۔"

یہ تھا اصل دھماکا..... میں ہل کے رہ گیا۔

"ٹالتی رہی..... نظر انداز کرتی رہی..... جان کے انجان بنی رہی کہ تم کھل کے مجھ سے وہ نہ مانگ لو جو میں نہ دے سکتی تھی نہ دینا چاہتی تھی۔ اسی لیے تو ہانی کے رشتے کے لیے اتنی بے چین تھی میں کہ وہ حویلی سے تمہاری زندگی سے دور ہو جائے تاکہ تم اس کے اثر سے آزاد ہو جاؤ۔"

"امی....."

میں بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

ایک ایک کر کے بہت سے مان اور بہت سے بھرم ٹوٹ گئے۔

"آپ۔ آپ جانتی تھیں۔ تو پھر۔ کیوں؟ مائیں تو اولاد کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔"

"یہ خواہش نہیں بچپنا تھا وہ پانچ چھ سال بڑی ہے تم سے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے۔ بلکہ اس حویلی کے

اکلوتے وارث۔ تمہیں لڑکیوں کی کیا کمی۔ جب تک تم تعلیم مکمل کر کے اس قابل ہو گے۔ وہ تئیس سال کی پکی عمر کی عورت ہو گی۔ میں نے بھی کچھ خواب دیکھ رکھے ہیں تمہارے بارے میں۔ کیا میرے بیٹے کی دلہن بن کے ایک پختہ عمر کی یتیم لڑکی آئے۔"

میں کتنی دیر انہیں افسوس اور ملامت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اب سارے گلے شکوے فضول تھے۔ بوجھل دل کے ساتھ میں کھنڈر کی جانب آنکلا۔

وہی دیواریں۔ وہی جابجا لکھے اس کا اور میرا نام۔

کاش جتنا آسان دیوار اور پیڑ پہ ان دونوں کو ایک ساتھ لکھنا تھا۔ اتنا ہی آسان زندگی میں ان کو ایک ساتھ دیکھنا بھی ہوتا۔

"آئی لو یو۔ آئی لو یو۔" اپنے ہی کہے الفاظ کی بازگشت مجھے چاروں جانب گونجتی سنائی دی۔ میں نے گھوم کے دیکھا۔

کھائی میں کچھ گرتا نظر آرہا تھا۔

پھر دھڑام سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔

"تمہارے یہ تین الفاظ ان دیواروں سے ٹکرا کے اس کھائی میں جا گرے ہیں۔ ان کی یہی اوقات تھی۔" میرے کانوں میں ہنی کی سرگوشی پھنکار بن کر ابھری۔ میں نے جیب سے وہ آخری پتھر نکالا۔ جو کبھی اس نے اپنے ہونٹوں سے چھو کے پھینکا تھا۔ اس پتھر کو۔ اس لمس کو اس کھائی میں ان تین لفظوں کے برابر گرا کے میں نے خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کیا میں اب دل و دماغ دونوں طرح سے بھرپور تیار تھا پورے حوصلے، کمال ضبط اور وقار کے ساتھ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہارنے کو۔

☆ ☆ ☆

آج پورے چالیس گھنٹے بعد میں اس کا سامنا کرنے جارہا تھا۔ یہ چالیس گھنٹے ہم نے ایک ہی چھت کے نیچے گزارے تھے مگر میں دانستہ اس سے کتراتا رہا تھا۔ لیکن کب تک۔ وہ اس حویلی میں چند گھنٹوں کی مہمان تھی۔

دروازہ کھولنے پہ ہنی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ وہ پھر سے دلہن کے روپ میں تھی۔ میں تاب نہ لاسکا اور نظر جھکا کے کہا۔

"میں۔۔۔ میں سوری کہنے آیا ہوں ہنی۔"

"سوری تو مجھے کہنا چاہیے تھا سعد۔" اس دن بنا سوچے سمجھے سب کے سامنے میں نے۔۔۔ ورنہ سالار کو تو زندگی اور صحت شاید ملی ہی تمہاری دعاؤں اور خدمت سے ہے۔ جو تم نے اتنی محبت سے کی۔

"تم ٹھیک کہتی تھی ہنی۔ یہ شاید محبت نہیں تھی۔ محبت تو اتنی جلدی ہار نہیں مانتی۔ اور میں نے۔ میں نے ہار مان لی ہے۔ شاید نہیں۔ یقیناً۔ "یقیناً" یہ محبت نہیں تھی۔ مگر محبت جیسی کوئی چیز ضرور تھی۔ اور اس چیز نے میرا بڑا نقصان کیا۔ میری سب سے اچھی دوست مجھ سے چھین لی۔"

"ایسا نہیں ہے سعد۔"

"ایسا ہی ہے اور میں اس کے لیے تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ قصوروار میں ہوں۔ غلطی میری تھی۔ سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔ اور مل بھی رہی ہے۔ میں جارہا ہوں ہنی۔"

"جا تو میں رہی ہوں بدھو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

اور کتنے دنوں بعد اس نے مجھے "بدھو" کہہ کر پکارا تھا۔ میں آگے بڑھا اور پیروں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کی گود میں رکھے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ کتنی بار میں نے ان ہاتھوں کو تھاما تھا۔ سہلایا تھا۔ اور آج چھوتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ وہ شاید میری جھجک کو بھانپ گئی۔ دھیرے سے اس نے خود اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

ایک ممنونیت بھری نگاہ اس پر ڈال کے میں مسکرایا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔ امید تو نہیں تھی۔ مگر لگ رہی ہو۔" اس نے پھر مسکرانا چاہا۔ مگر آنکھیں ساتھ نہ دے پائیں۔ چند آنسو چھلک کے گال پہ بہہ نکلے جن کو انگلی کی پور پہ میں نے چن لیا۔

"نہیں ہنی۔ آج کے بعد رونا مت۔ جب جب تم روؤ گی۔ مجھے لگے گا تم نے میری غلطی کو معاف نہیں کیا۔ تمہارے آنسو مجھے بددعا کی طرح لگیں گے۔ کبھی مت رونا ہنی۔ کبھی بھی نہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے انکار میں سر ہلانے لگی اور سارے آنسو جو پلکوں کی منڈیر پر جھانک رہے تھے اپنے اندر اتار لیے۔

"نہیں روؤں گی۔ وعدہ۔"

"دیکھو ہنی۔ میں بھی نہیں رو رہا۔ دل چاہ رہا ہے پھر بھی نہیں۔ تم نے کہا تھا ناں کہ میری آنکھوں میں ہر وقت آنسو ہوتے ہیں۔ دیکھو۔ اب نہیں ہیں۔ میں نہیں رو رہا۔ نہ کبھی روؤں گا۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

"بدھو۔ مجھے یاد بھی نہ کرنا۔ سمجھے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں ہنسنے کی کوشش کرتا آہستگی اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہاری شادی کے لیے کوئی تحفہ نہیں لے سکا اور تو کچھ ہے نہیں تمہیں دینے کے لیے... دعا دے دوں؟"

اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ گردن اٹھائے وہ مسلسل مجھے دیکھتی جا رہی تھی۔ میں ذرا سا جھکا اور بہت عقیدت کے ساتھ اس کی پیشانی پہ ایک بوسہ دیا۔

"ہمیشہ خوش رہو۔"

ام ہانی کی آنکھیں بند تھیں اور جب تک کھلیں میں کمرے سے جا چکا تھا اور کھلے دروازے سے سلطی کی کڑک دار آواز ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اندر آرہی تھی۔

تیرے محلوں دے رنگلے بوہے...

تے موچوں میری ڈولی لنگنی۔

میں بھاگتا ہوا سیڑھیاں اترا اور ایسے ہی بھاگتے ہوئے لان تک گیا۔ جہاں بارات کی آمد آمد تھی۔ میرے قدموں میں بجلی بھری تھی جیسے ڈر تھا رکا تو پتھر کا ہو جاؤں گا۔ سب حیرانی سے مجھے بارات کے ساتھ بلکہ آگے آگے ڈھول کی تھاپ پہ بھنگڑا ڈالتا دیکھ رہے تھے کئی ایک نے تو دبے لفظوں میں کہا بھی۔

"ارے... سعد... تم لڑکی والے ہو بارات کے ساتھ کیوں ناچ رہے ہو۔"

مگر مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ میں بس خود کو بے حد خوش، بہت سرشار دکھانا چاہتا تھا یا شاید... شاید میں اپنے اندر کی تڑپ کو اس بہانے نکالنا چاہ رہا تھا۔ ہنستے مسکراتے میں نے سالار کا سواگت بھی کیا۔ نکاح کے بعد چھوہارے بانٹنے اور مٹھائی سے سب کا منہ میٹھا کروانے میں بھی میں ہی پیش پیش تھا۔ ہر ایک کے ساتھ چپک کے اور سارے دانت ہونٹوں کے شوکیس پہ سجا کے تصویریں بھی بنوائیں۔

اور پھر رخصتی کے وقت قرآن پاک ہاتھ میں لیے بھی میں ہی سب کے درمیان راستہ بناتا آگے آیا اور ابو کے گلے لگی ام ہانی کے سر پہ اس کا سایہ کر کے دہلیز پار کرائی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ذرا سا مڑ کے مجھے دیکھا میرے چہرے پہ صبح سے وہی بھرپور مسکراہٹ سجی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی کار کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی یہ مسکراہٹ نہ گئی۔ سب ایک ایک کر کے چلے گئے۔

کچھ حویلی کے اندر کچھ واپس اپنے گھروں کو، مگر میں وہیں گیٹ کے پاس کھڑا مسکراتا ہوا اس موڑ کو دیکھ رہا تھا۔ جو اسے کسی اور راستے کا مسافر بنا کے لے گیا تھا پھر کسی کے سسک کے رونے کی آواز پہ پلٹ کے دیکھا لان میں جھولے پہ بیٹھی وہ بیلی تھی۔

"تم کیوں رو رہی ہو؟" میں اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دوپٹے سے ناک صاف کرتی۔ سوری۔

"رخصتی پہ تو سب کو رونا آتا ہے آپ کو نہیں آرہا؟"

"آرہا ہے، مگر میرے رونے پہ پابندی ہے تاحیات۔"

"ہاں آپ کیوں روئیں گے آپ تو ایسے ناچ رہے تھے بارات کے ساتھ جیسے لڑکے کے شہ بالا ہوں۔" وہ ناک چڑھاتی اٹھ کے جانے لگی۔

"سنو بلی۔"
"اب کیا ہے؟"
"تمہیں پتا ہے کہ اس دن میں نے علی کو کیوں مارا؟"
"ہاں میری وجہ سے۔ تھینک یو۔"
"نہیں وہ نہیں میں۔ تمہیں چھیڑنے والا تھا چٹکی کاٹنے جا رہا تھا تمہیں اس نے تو روکنے کی کوشش کی اور میں نے اسے پیٹ ڈالا۔"
"کیا؟"
"ہاں۔ سچ۔ اچھا سنو یہاں اس وقت کوئی نہیں ہے اب چھیڑ لوں تمہیں؟"
"لفنگے۔ بدمعاش۔ میں عزت دے رہی ہوں اندر سے کیا نکلے لوفر۔ ابھی بتاتی ہوں پھوپھو نائلہ کو۔"
وہ غصے سے دھمکاتی۔ نفرت سے گھورتی پیر پٹخ کے اندر جانے لگی اور میرے بے ساختہ قہقہے ابلنے لگے۔
اندر کچھ تھا۔
کچھ عجیب سا۔
جو یارات کے ساتھ پاگلوں کی طرح ناچ کے بھی نہ نکل رہا تھا اور نہ الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کے بعد بھی کم ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیا تھا کوئی آنسوؤں کا ریلا نہ ہو جو بند توڑ کے نکلنا چاہتا ہو۔
میں قہقہوں کا ایک اور بند باندھنے لگا۔ اور بلاوجہ ہنستے ہنستے اندر کی طرف بڑھا تو برآمدے کے ستون سے لٹی سکھی کو بھی چسکوں پھکوں روتے پایا۔
"ہوں۔ تم بھی۔ تمہیں بھی ہانی کے جانے پہ رونا آرہا ہے کیا؟" تب ہی بانسری کی وہی درد بھری صدا ابھری۔
"مجھے تو اپنے نصیبوں پہ رونا آرہا ہے جی۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی اور میں جو ہمیشہ بانسری کی اس آواز پہ کھو سا جاتا تھا۔ مسحور ہو جاتا تھا۔ اس بار جھنجلا اٹھا۔
"ارے ہے کون یہ بے سرا۔ وقت بے وقت شروع ہو جاتا ہے۔"
"خدا بخش ہے جی۔ کمہاروں کا لڑکا۔ وہ جس کے ساتھ میں۔" وہ کہتے کہتے رکی۔
"بھاگی تھی؟" میں نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔
"ہاں جی۔ روز بانسری بجا کے مجھے بلاتا ہے اب میں اسے کیسے بتاؤں کتنی مجبور ہوں کل مجھے بھی نکاح کر کے خدا بخش سے الگ کرنے والے ہیں یہ لوگ۔" میری ہنسی چھوٹ گئی۔ مجھے بے تحاشہ قہقہے لگاتا دیکھ کے وہ رونا بھول کے اب حیرت سے میرا منہ تک رہی تھی۔
"یہ تمہیں بلاتا تھا؟ تمہارے لیے بجاتا تھا بانسری؟ دھت تیرے کی اور میں سمجھتا تھا اوپر والے نے میرے لیے کسی اسپیشل بیک گراؤنڈ میوزک کا انتظام کیا ہوا ہے رومانٹک فلموں کی طرح۔" پھر اچانک میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کے برآمدے کی چار سیڑھیاں اتارنے لگا وہ گھبرا اٹھی۔
"سعد صاحب۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔"
"بھگا رہا ہوں تمہیں جلدی کرو۔ بھاگ جاؤ اس پاگل کے بچے کے ساتھ ورنہ یہ ایسے ہی بانسری بجا بجا کے دماغ پکاتا رہے گا۔"
"مگر۔" وہ بے چاری ہکا بکا تھی۔
"کہاں نا۔ نکل جاؤ میں سب سنبھال لوں گا۔ آج ویسے بھی کسی کو ہوش نہیں ہے۔" میں نے کوٹ کی جیب سے والٹ نکال کے پورا کا پورا اسے تھما دیا۔
"لو۔ جلدی۔ ایک دو تین چار۔" اور پانچ کہنے سے پہلے پہلے وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی سالار کے ہمراہ اس گھر میں داخل ہوئی جہاں اب اسے زندگی کا نیا سفر شروع کرنا تھا۔ بڑے سے گھر کے ماحول میں اسے وہی رعب و دبدبہ محسوس ہو رہا تھا جو سالار کی شخصیت کا خاصہ تھا اور پھر دیواروں پہ جا بجا لگی سالار اعظم کی قد آدم تصاویر۔
سالار ام ہانی کے پہلو میں بہت سنجیدہ اور سرد مہر تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا جس والہانہ گرم جوشی اور

خوشی و سرشاری کی توقع اسے سالار سے تھی اس کا مظاہرہ اماں کی جانب سے ہو رہا تھا وہ صدقے کی نیت سے اس پہ نوٹ وار رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ... نظر نہ لگے آج سے یہ گھر تمہارا ہے اور میرا بیٹا بھی۔"

ام ہانی مسکرائی، مگر سالار کی رکھائی سے کہی بات نے اس کی مسکراہٹ مدھم کر ڈالی۔

"آپ اسے مس گائیڈ مت کریں... میں اس کا نہیں۔ یہ آج سے میری ہے۔"

ہانی نے پلٹ کے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا' مگر وہ اپنی کہنے کے بعد لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی جانب جا رہا تھا۔ اماں نے اس کی خشک بات کا ازالہ کرتے ہوئے ہانی کا ماتھا چوما۔

"اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں... آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک لے چلوں۔" کمرے میں آنے کے بعد بھی وہ دیر تک سالار کی عجیب و غریب باتوں کو اماں کے کہے کے عین مطابق مذاق سمجھ کے ہی خود کو بہلاتی رہی۔

"تم اتنی خوش ہو؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟ آج سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ جس میں آپ میرے ساتھ ہوں گے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی' مگر دل میں گلہ بھی جاگا کہ چہرے پہ جھلملاتی خوشی کا سبب تو اس نے دیکھ لیا' مگر جس نکھار کے قصیدے سب نے پڑھے اس پہ سالار کی جانب سے ایک تعریفی جملہ تک نہ آیا۔

"مگر میں نے سنا ہے اپنوں کو چھوڑنے کا دکھ لڑکیوں کو کافی عرصے تک رلاتا ہے۔ تمہیں ان سے الگ ہونے کا کوئی غم ہے ایسا بظاہر لگ تو نہیں رہا۔"

"میں ان سے الگ کب ہوئی ہوں اور نہ ہی چھوڑا ہے یہ تو ہر لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ویسے بھی آپ کے ساتھ نے جو خوشی دی ہے وہ ہر دکھ پر حاوی ہے۔"

"پھر بھی..." سالار کے لہجے میں اس کے چہرے پہ اس کی نظروں میں ایک شدت سے محسوس کی جاتی والی مایوسی تھی۔ اذان کی آواز پہ ام ہانی چونکی۔

"اوہ... صبح ہو گئی... اتنی جلدی... میں نماز پڑھ لوں؟" سالار نے خاموشی سے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے سگار سلگایا۔ اور وہ کچھ جھجک کر پوچھنے لگی۔

"آپ نماز نہیں پڑھتے؟" اس بار سالار کا سر انکار میں ہلا۔

"کبھی بھی نہیں پڑھی؟" وہ تاسف سے کہنے لگی۔

"ایک بار پڑھی تھی... اپنے باپ کے مرنے پہ۔"

"اوہ... نماز جنازہ..."

"نہیں... شکرانے کے نفل۔" سالار نے سگار کا دھواں اگلتے ہوئے سفاکی سے کہا تو وہ جو اپنا بھاری لہنگا سنبھال کے وضو کے لیے اٹھ رہی تھی وہیں جم کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

صبح ہوتے ہوتے سلمیٰ کے فرار کی خبر حویلی میں عام ہو گئی اور میں نے بہت سہولت سے سب کو مطلع کر دیا کہ یہ عظیم کارنامہ چونکہ میں نے کیا ہے اور میرے کارنامے کسی بھی قسم کی کمی بیشی سے پاک، مکمل محفوظ ہوتے ہیں اس لیے اسے تلاش کرنے کی کوشش بے سود رہے کی احتیاط کی جائے۔ اور اب بڑے دادا کے کمرے میں میری کلاس لگی تھی۔

"بے غیرتا... کتنے آرام سے کہہ رہا ہے کہ ہاں... میں نے بھگایا ہے اسے... ڈھیٹ کا بچہ۔"

"میں کب ڈھیٹ رہا ہوں دادا جی؟" ابو بلبلا اٹھے۔

"آپ اسے ڈائریکٹ برا بھلا کہیں، مجھے کیوں درمیان میں لے آتے ہیں ہر بار۔ اس کے کرتوتوں پہ میں کیوں کچھ سنوں؟" انہوں نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا بھی ہو گا... یقیناً" مگر میں چپ چاپ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

"مسعد... یہ کیا کیا تم نے؟" اب امی کی باری تھی لعن طعن کی۔

"بے شک وہ ملازمہ تھی، مگر ہماری ذمے داری بھی تو تھی۔ اب ہم اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے

جو آج گاؤں سے اس کی شادی کا سن کر آرہے ہیں۔"
"اور میں اپنے ملازم کے سامنے کتنا شرمندہ ہوں گا جس سے آج اس کا نکاح پڑھانا تھا۔ کیا بے تکا پن ہے یہ۔۔۔"

ابو کا تو بس نہ چل رہا تھا چپل اتار کے میری تواضع ہی شروع کر دیتے۔ شاید کل میری بیرون ملک روانگی کا خیال انہیں لحاظ کرنے پہ مجبور کر رہا تھا کہ اب جاتے جاتے کیا خاطر کروں؟

"ہن بول۔۔۔ منہ سی کے کھلو تا اے۔" بڑے دادا نے بیڈ کے ساتھ رکھی چھڑی اٹھا کے تان لی۔

"بڑے دادا۔۔۔ بچپن سے دیکھتا آرہا ہوں جب بھی ہم میں سے کوئی لمبے سفر کے لیے نکلتا ہے۔ گھر والے صدقے کی نیت سے پرندے آزاد کرتے ہیں۔ سفر پہ نکلنے والے کی سلامتی کے لیے۔ ہانی بھی ایک نئے سفر پہ نکلی ہے اور میں نے سلمٰی کو آزاد کر کے ام ہانی کی آنے والی خوشیوں کا صدقہ دیا ہے۔"

میری اس بات پہ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔۔۔ سب ایک دوسرے کی جانب دیکھ کے رہ گئے بس۔۔۔ اور میں اپنی ادھوری پیکنگ مکمل کرنے چلا آیا۔

علی الاصبح میری فلائٹ تھی۔ جانے سے پہلے میں نے فجر کی نماز وہیں برآمدے میں اس جگہ ادا کی جہاں وہ سالوں سے کرتی آئی تھی اس کے بعد چھت پہ جا کے ایک ایک کر کے سب پرندے بھی آزاد کر دیے۔

جاتے ہوئے امی کے گلے لگا تو ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کے پہلی بار میرے دل کو کچھ نہ ہوا کچھ بھی نہیں۔۔۔ یہ آنسو اب کیوں؟ خود ہی تو فیصلہ کیا تھا مجھے بھیجنے کا۔ میں نے ان کے آنسو تک نہ پونچھے اور نکل آیا۔

اس حویلی سے۔۔۔ جس کے در و دیوار میں میری محبت نے پہلی بار آنکھ کھولی تھی۔ پہلا سانس لیا تھا۔

مگر نہیں۔۔۔ وہ تو محبت تھی ہی نہیں شاید۔۔۔ شاید۔۔۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی کے دل میں ایک خلش سی تھی۔ وہ جا رہا تھا۔

بہت دور۔۔۔ اور ایک نامعلوم مدت کے لیے۔ پتا نہیں دوبارہ کب ملنا ہو مگر وہ چاہتے ہوئے بھی سعد کی روانگی کے وقت حویلی نہ جا سکی تھی کہ عین اسی وقت اماں کی بھی امریکا کے لیے فلائٹ تھی۔

"زمانے کے بعد میرے گھر میں اجالا ہوا ہے اور مجھے جانا پڑ رہا ہے۔" وہ اسے گلے لگا کے بہت سا پیار اور ڈھیروں دعائیں دے رہی تھیں۔

"آپ جلدی واپس آئیے گا اماں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ اور تم اپنا اور سالار کا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

"بلکہ۔۔۔ اپنا زیادہ۔۔۔" ان کے لہجے میں ایسی دبی دبی تنبیہہ تھی کہ وہ الجھ سی گئی۔

"سالار تمہیں چاہتا ہے۔۔۔ اس لیے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے ورنہ۔۔۔ مگر تمہیں اسے اور اس کی چاہت کو سمجھنے میں بہت وقت لگے گا۔۔۔ بہت وقت۔"

ان کے چہرے پہ خوف دیکھ کے وہ بھی خوف زدہ ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ ان سے کچھ سوال کرتی اپنی الجھن دور کرنے کے لیے۔ گھڑی پہ وقت دیکھتا سالار عجلت میں وہاں آیا۔

"آپ کی فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے چلیں باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔"

"سالار ہم بھی چلتے ہیں اماں کو ایئرپورٹ تک چھوڑنے۔" اس نے بڑے چاؤ سے کہا مگر سالار خشک لہجے میں فقط اتنا کہہ کر رہ گیا اور وہ چپ ہو گئی۔

"کیوں۔۔۔؟"

☆ ☆ ☆

"اب کیوں رو رہی ہو؟" رضوان نے نائلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کے کہا۔

"یاد تو آئے گا نا۔"

"یاد کرنے کا فائدہ۔ بھیجنے سے پہلے سوچنا تھا۔"

"وہ گھر سے دور گیا ہے۔۔۔ اس کا دکھ نہیں۔۔۔ مجھ سے ناراض گیا ہے اس کا دکھ ہے۔"

"دو ڈھائی سال کی بات ہے۔ آجائے گا اور ناراضی تو شاید دو تین دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔" انہوں نے تسلی دی اور پھر دانستہ موضوع تبدیل کیا۔

"میں تم سے یہ پوچھنے والا تھا کہ ام ہانی اور اس کے شوہر کو انوائٹ کیا جائے کھانے پہ؟"

"ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ میں فون کرتی ہوں اسے۔"

"نہیں زیادہ مناسب یہ رہے گا اگر میں خود جا کے دعوت دوں۔ تم چلو گی ساتھ؟"

"میرا جی ابھی بھاری سا ہو رہا ہے سعد کے جانے سے۔ آپ ہی ہو آئیں۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ کل شام کا کہہ دوں؟"

۞ ۞ ۞

"سالار۔۔۔ وہ دیکھیں۔۔۔ تایا جان اچانک ہی۔۔۔" وہ بہت خوشی خوشی رضوان کی اچانک آمد کی۔ خبر دینے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر جب سالار کو اس کے شغل میں مصروف دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ سالار کے سامنے رکھی بوتل اور اس کے ہاتھ کے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

"دستک دے کر آیا کرو۔" وہ شاید کافی دیر سے مے نوشی کر رہا تھا آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

"جی۔" مرے مرے لہجے میں وہ فقط اتنا کہہ سکی۔ دانستہ نظریں اس زہر سے ہٹائیں۔۔۔ دل کٹ سا رہا تھا سالا کی ذات کا یہ رخ سامنے آنے پہ۔

"اب بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"تایا جان آئے ہیں۔" جتنے اشتیاق اور مسرت کے عالم میں وہ یہ بتانے آئی تھی اب وہ ناپید تھا بجھے لہجے میں کہہ کر جانے کے لیے پلٹی۔

"میں انہیں کہہ دیتی ہوں کہ آپ سو رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں چاہتی آپ کو اس حالت میں دیکھ کے انہیں دکھ ہو۔" وہ یہ کہنے کے لیے رکی تو سالار اٹھ کے گلاس سمیت اس کی جانب آنے لگا۔

"تمہیں نہیں ہوا؟" وہ جواب میں خاموشی سے سر جھکا کے رہ گئی۔

"یا پھر انہیں دکھ ہو گا۔ اس بات کا زیادہ ملال ہے تمہیں؟"

"ظاہر ہے ملال تو ہو گا۔۔۔ میں نہیں چاہتی انہیں ٹھیس پہنچے۔" سالار کے ہونٹوں پہ ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"گھر آئے مہمان سے نہ ملنا بد تہذیبی ہے۔" وہ گلاس ایک جانب رکھتا ڈولتے قدموں سے باہر نکلنے لگا۔

"مگر سالار۔۔۔ پلیز۔۔۔ یوں نہ جائیے ان کے سامنے۔۔۔ سالار۔۔۔" اس نے روکنے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ رضوان نے اسے آتے دیکھا تو چائے کا کپ رکھ کے بڑے تپاک سے اٹھے۔

"آؤ سالار کیسے ہو بیٹا۔۔۔ میں ہانی سے تمہارا ہی۔۔۔"

اور پھر سالار کے بے ترتیب قدم ڈگمگاتا ڈولتا وجود اور سرخ ہوئی آنکھیں دیکھ کے ٹھٹک کے خاموش سے ہو گئے بڑی تعجب بھری نظروں سے غور کرنے لگے۔

"کیسے ہیں آپ؟" اور جب وہ بولا تو اس کی زبان میں بھی لکنت واضح تھی۔ اب شک کی گنجائش ہی نہ تھی۔ رضوان نے شدید حیران سوالیہ نظروں سے سالار کے عقب میں آتی ہانی کے شرمندہ چہرے کو دیکھا جو سر اٹھانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی خود کو۔

"تشریف رکھیے۔" انہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے سالار خود تقریباً صوفے پر گر سا گیا۔ رضوان ایک تاسف بھری نظر ڈال کے خود بھی بیٹھ گئے اور ایک سرد آہ بھری۔ جو سیدھی ام ہانی کے کلیجے میں جا لگی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کس طرح یا تو سالار کو یہاں سے لے جائے یا رضوان کو واپس بھیج دے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا وہ بات جو ان کے سامنے ظاہر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ عیاں تو ہو چکی تھی۔

"آپ دونوں کو کل شام کے کھانے پہ بلانے آیا تھا۔" اب بات تو کرنی ہی تھی جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے سو کہہ دی۔ یہ الگ بات کہ اب نہ انداز میں وہ تپاک تھا' نہ لہجے میں وہ گرمجوشی۔

"کل ہم ضرور آتے' مگر کل صبح ہی ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا غالباً" کہ میری پوسٹنگ سندھ میں ہوگئی ہے۔" اس پہ ام ہانی نے چونک کے حیرت سے اسے دیکھا تھا اس کے لیے بھی یہ انکشاف تھا۔

رضوان کے جانے کے بعد سالار نے دوسرا دور شروع کردیا۔ وہ جام پہ جام انڈیل رہا تھا اور ام ہانی اپنے سوالوں کے جواب پانے کے لیے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کرسکتی تھی۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ ہم دوسری جگہ جارہے ہیں۔"

"بتایا تو ہے ابھی۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"مگر اتنی اچانک کیسے ہوگئی ٹرانسفر؟"

"ہوئی نہیں ۔۔۔ میں نے خود کروائی ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارے تایا اور دوسرے رشتے داروں کو مجھے ہر بار اس حال میں دیکھ کے دکھ ہو اور انہیں دکھی دیکھ کے تمہیں دکھ ہوگا تو بہتر ہے ہم ان سے دور رہیں۔"

"مگر آپ کو اس حال میں دیکھ کے بھی تو مجھے دکھ ہوگا۔" وہ آنسو پی گئی۔

"اس کی اجازت ہے تمہیں ۔۔۔" سالار نے کمال فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"میرے لیے دکھی ہونا تمہارا حق بنتا ہے اور فرض بھی ۔۔۔ مگر تم کسی اور کے لیے دکھی ہو یہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

"مگر سالار ۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ دھاڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم؟ میں بھی تم سے دور ہوجاؤں؟ نہیں ام ہانی ۔۔۔ نہ میں خود کو بدل سکتا ہوں نہ تمہیں خود سے دور کرسکتا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہوگا تاعمر۔ اسی طرح ۔۔۔ دکھی ۔۔۔ یا سکھی ۔۔۔ یہ تمہاری چوائس ہے میرا مسئلہ نہیں ہے۔" ام ہانی دکھ سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر الماری کی جانب پلٹی۔

"آپ پہلے بتا دیتے تو میں رات سے ہی پیکنگ شروع کردیتی۔ اب پتا نہیں اتنے کم وقت میں یہ سب کیسے ہوگا۔" اس کے اتنی جلدی خود کو معمول پہ لے آنے پر سالار جھنجلا سا اٹھا۔ مایوسی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔

"اندرون سندھ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ہوئی ہے میری پوسٹنگ ۔۔۔ میں آئے روز تمہیں میکے والوں سے ملوانے نہیں لاسکوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ بغور اس کا ردعمل جانچنے لگا' مگر وہ سکون سے الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

"ظاہر ہے ۔۔۔ مشکل ہوگا۔"

"اور وہاں وہ سہولیات بھی نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اس کے اطمینان نے سالار کو اس حد تک جھنجلا دیا کہ وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس زور سے اس کی جانب اچھالنے پہ مجبور ہوگیا۔ کانچ کا گلاس ام ہانی کے پیر سے ٹکرا کے فرش پہ گرا اور چکنا چور ہوگیا۔ تو وہ کانپ کے رہ گئی۔ اور دہشت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جواب مسکرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ نشے میں دھت تھا نا کل۔" رضوان کی نظروں میں دکھ کے ساتھ ساتھ خفگی اور گلہ تھا۔

"وہ بھی اپنے گھر کی چار دیواری میں ۔۔۔ دن کے وقت اور ام ہانی کے چہرے پہ اتنا دکھ' افسوس اور شرمندگی تھی کہ میں اس سے نظر تک نہ ملا سکا۔"

"بات تو افسوس کی ہے' مگر شرمندگی سالار کو ہونی چاہیے آپ کو نہیں اور آپ کیوں نظر نہیں ملا پا رہے تھے ام ہانی سے؟ اس میں آپ کا کیا قصور؟ سالار ام ہانی

کی ہی پسند تھا۔"

"یہ واحد دھچکا نہیں تھا نائلہ... دوسرا دھچکا مجھے تب ملا جب سالار کے گھر سے نکلتے ہی میں نے اس کی والدہ کو فون کیا۔ یہ گلہ کرنے کے لیے کہ انہوں نے سالار کے کردار کا یہ رخ ہم سے کیوں پوشیدہ رکھا۔ تو جانتی ہو انہوں نے کیا انکشاف کیا... یہ... کہ تم اس بارے میں پہلے سے جانتی تھیں۔"

اب نائلہ کو ان کی خفگی کی وجہ سمجھ آئی وہ گھبرا کے ٹالنے لگیں۔

"نہیں... میں تو... دراصل رضوان وہ تو بات ہی..."

"بس نائلہ... کچھ نہ کہنا... اتنا دکھ مجھے سالار کو نشے میں دیکھ کے نہیں ہوا جتنا یہ جان کے ہوا۔ سب جانتی تھیں تم تو مجھے پہلے کیوں نہ بتایا یا ہانی کو ہی بتا دیتیں۔"

"بتا دیتی تو کیا کر لیتے آپ؟"

"میں کبھی اپنی بچی کی شادی اس سے نہ کرتا' بلکہ مجھے یقین ہے کہ سالار کی اس عادت بلکہ عیب کے بارے میں جاننے کے بعد ام ہانی ہی اپنی پسند سے دستبردار ہو جاتی۔"

"اسی لیے نہیں بتایا میں نے۔" وہ پھٹ پڑیں۔

"یہ رشتہ طے ہوتے وقت یہ حقیقت سامنے آتی تو اور بات تھی۔ شادی کے عین وقت آپ فیصلہ بدل کے کیا مہ پارہ کی طرح اسے بھی ساری عمر کے لیے میرے سر پہ بٹھا دیتے؟" رضوان کو اور بھی دکھ ہوا۔

"کتنی خود غرض ہو تم نائلہ... میں سوچتا تھا تم نے میری بھائی کی یتیم بچی کی ذمے داری نبھا کے مجھ پہ بڑا احسان کیا ہے۔ تم نے میرا یہ گمان توڑ دیا۔"

"ہاں... ہوں میں خود غرض... ممتا خود غرض ہی ہوتی ہے۔ اسے سالار کے ساتھ رخصت نہ کرتی تو سعد... آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ سعد کا باپ بن کے سوچیں اس کی بہتری کے لیے۔"

"کاش تم نے بھی ایک بار... صرف ایک بار ام ہانی کی ماں بن کے سوچا ہوتا۔ اس کی بہتری کے لیے۔"

☼ ☼ ☼

سالار کی جیپ قصبے سے نکل کے مین روڈ کی جانب گامزن تھی اور جب سالار نے دائیں جانب کا موڑ کاٹا تو ام ہانی نے حیرت سے ٹوکا۔

"وہمیں تایا جان سے ملتے ہوئے جانا تھا۔ بتایا تو تھا آپ کو۔"

"دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ پہلے بتا دیتے میں تو انہیں اطلاع کر دیتی کہ ہم نہیں آ رہے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ٹھیک ہے... میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں کہ ہمیں دیر..."

اس نے ابھی فون پہ نمبر ملایا بھی نہیں تھا کہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے سالار نے دوسرے ہاتھ سے بڑی سرعت کے ساتھ اس سے موبائل فون جھپٹ لیا اور کھلے شیشے سے باہر پھینک دیا۔

"سالار...؟"

مارے حیرت کے وہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی اور سالار کا دھیان اب اس پر نہیں۔ سامنے خالی سڑک پر تھا... وہ گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔

ہانی نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

دور خالی سڑک پہ ایک نقطے کی طرح اس کا فون گرا نظر آ رہا تھا۔ اور پھر بے تحاشا اڑتی دھول اور گرد نے اس نقطے کو بھی معدوم کر دیا۔

اور یہ گرد... یہ دھول اگلے دو سال اس کی زندگی کے ہر گوشے پہ پڑی رہی۔

اگلے دو سال...

دو طویل سال۔

(باقی آئندہ شمارے ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼